مستقبل کا انسانی ارتقاء

(اکیسویں صدی میں علم اصلاح نوعِ انسانی)

جان گلیڈ

ترجمہ: ڈاکٹر امجد علی بھٹی

فکشن ہاؤس

18- مزنگ روڈ لاہور

فون:042:37249218-37237430

e-mail:fictionhosue2004htomail.com

Future Human Evolution
(Eugenics in the Twenty First Century)
By John Glad

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : مستقبل کا انسانی ارتقاء (اکیسویں صدی میں علمِ اصلاحِ نوعِ انسانی)

مصنف : جان گلیڈ

ترجمہ : ڈاکٹر امجد علی بھٹی

پبلشرز : فکشن ہاؤس

18- مزنگ روڈ، لاہور

فون:7249218-7237430

اہتمام : ظہور احمد خاں

کمپوزنگ : فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور

پرنٹرز : اکرم پرنٹرز، لاہور

سرورق : عباس

اشاعت : 2009ء

قیمت : 140/- روپے

ہیڈ آفس : 18- مزنگ روڈ لاہور، پاکستان

سب آفس حیدر آباد

52,53 رابعہ اسکوائر حیدر چوک گاڑی کھاتہ حیدر آباد

فون:022-2780608

فہرست

☆ مترجم کا نوٹ 5
☆ دیباچہ 7

☆ باب اول: موضوع کا تعارف 14
☆ باب دوم: علمِ اصلاحِ نسلِ انسانی (یوجی نکس) کیا ہے؟ 23
☆ باب سوم: سائنس 25
1- گزشتہ ارتقاء 25
2- آزمائش/معیار (ٹیسٹنگ) 31
3- ''جی'' لوڈنگ 35
4- ذہنی صلاحیت میں کمی 38
5- جینیاتی بیماریاں 41
6- سائنسی طریقہ 50
7- انسانی لونی مادے (کروموسوم) کا خاکہ بنانا (میپنگ) 58
☆ باب چہارم: نظریہ 62
1- لازمی شرائط 62
2- انسان دوستی 67
☆ باب پنجم: معاشرہ اور جین 72
1- سیاست: جمہوریت کی آڑ میں ساز باز 72

2- فلاح اور فرٹیلیٹی (زرخیزی) 79
3- جرم اور ذہانت 83
4- نقل مکانی 87
☆ باب ششم: یوجی نکس کی تاریخ اور سیاست 89
1- یوجی نکس تحریک کی مختصر تاریخ 89
2- جرمنی 94
3- دائیں اور بائیں سمت 106
4- یہودی 118
5- یوجی نکس کا اخفاء پر دباؤ 125
6- جینیات کا ممکنہ غلط استعمال 131
7- سہل مرگی 133
8- مذہب 135
9- پاپولیشن مینجمنٹ 136
10- امکانیت 143
11- انقلابی مداخلت 147
☆ باب ہفتم: خلاصہ 153
☆ ضمیمہ اول: سماجی حیاتیات اور بہبودِ آبادی 154
☆ ضمیمہ دوم: 100 جرمن تاریخ کی متعلقہ کتابوں کی فہرست جو کہ ویمر کے دورِ حکومت اور نیشنل سوشلزم کے دوران لکھی گئیں 158
☆ حواشی 168

مترجم کا نوٹ

اِس کتاب کا مقصد چند ایسے بڑے فلسفیانہ سوالوں کو پیش کرنا ہے جو انسانی تہذیب کی قدروں اور مقاصد کے علاوہ اُس راستے سے تعلق رکھتے ہیں جو نسلِ انسانی، مصنوعی انتخاب کو آگے بڑھانے یا اُس کو ترک کرنے کے لیے شعوری طور پر اختیار کرے گی۔ اِس کا مقصد انسانی جینیاتی بیماری کی پیچیدگیوں پر بحث کرنا نہیں ہے۔

اس کتاب میں حقائق اور امکان کو کھلی آنکھوں سے پرکھنے کی کوشش بھی کی گئی ہے اور یورپی اندھے تعصب کو چیلنج کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر گلیڈ نہ صرف مڈل کلاس طبقے کا جبری استحصال کرنے والوں کی نشاندہی کرتے ہیں بلکہ غربت‘ افلاس‘ بیماری اور ناداری جیسے ہتھیاروں سے ڈرانے والوں کی خفیہ چالوں کو بے نقاب بھی کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ میری یہ کاوش قارئین ضرور سراہیں گے۔

میں بھائی ظہور احمد کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے انسان دوستی کے فروغ کے سلسلے میں میری ہر اُس کاوش کو شائع کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے جو میں اُن کے سامنے پیش کروں گا۔

ڈاکٹر امجد علی بھٹی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

فون نمبر۔0300-5347434

OOO

دیباچہ

سیمور ڈبلیواڑّوف

جان گلیڈ ایک بہادر سکالر ہے۔ یہاں وہ دورِ حاضر کے عقلی امتناع کے کھلے موضوع پر بات کرنے کا خطرہ مول لیتا ہے۔ علمِ اصلاحِ نوعِ انسانی (یوجی نکس) کی اصطلاح غیر معقول بائیں بازو اور خوفزدہ عوام، دونوں کی جانب سے نظریاتی لحاظ سے نشانہ بنی ہوئی ہے۔ لیکن جیسا کہ ڈاکٹر گلیڈ اِس بات کی واضح اور مصدقہ طور پر نشاندہی کرتے ہیں کہ اصل میں اُس چیز کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں ہے جسے ٹوٹم پسند ردِعمل کہا جا سکتا ہے۔ علمِ اصلاحِ نوعِ انسانی کا صرف ذکر ہی شدید ردِعمل کا باعث بنتا ہے۔۔۔۔۔"نازی نسل کشی، زبردستی تطہیر"۔ اِس کے باوجود شعوری تجزیے کے کسی بھی معیار سے نوعِ انسانی کی بہتری کے اِس خیال کی ٹھوس انسان دوست روایت ہے جو اِس کے مزید اطلاق کی حمایت کرتی ہے۔

ڈاکٹر گلیڈ کی نشاندہی کے مطابق یوجی نکس کی اصل تاریخ تمام نسلِ انسانی کی حالت میں بہتری کے حقیقی لبرل خیال سے بھرپور ہے اور انسانی عمل کی حیاتیاتی فطرت پر جدید تحقیق، نوعِ انسانی کی طبعی اور ذہنی دونوں طرح کی حالتوں میں بہتری میں اضافے کے لیے مواقع پیدا کر رہی ہے۔ یہ دریافت کی تیز رفتار کے ساتھ وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ سو ہمیں جان گلیڈ جیسے مفکرین کی ضرورت ہے جو حقائق اور امکان کے ساتھ اندھے تعصب کو چیلنج کر سکیں۔

آج دنیا نزول کی جانب جاتا ایک ایسا مرغولہ ہے جو ساڑھے چھ اَرب افراد پر مشتمل ہے۔ نصف صدی تک یہ تعداد نو یا دس بلین افراد تک پہنچ جائے گی جن میں سے زیادہ تر

تاریخی اور تہذیبی لحاظ سے غیر انسانی حالات میں زندہ ہونگے۔

ایسی ہی طاقتیں جو تعلیم یافتہ افراد کو یوجی نکس کی اصطلاح کے خوف سے اندھا کر دیتی ہیں۔۔۔اُن مقتدر طبقات کی نمائندگی کرتی ہیں جو اُن موجودہ بے مقصد تخصیصی معاشرتی پالیسیوں سے فائدہ اٹھاتی ہیں جو محروم اور غیر محفوظ افراد کی آبادیاتی تباہی میں اضافہ کرتی ہیں۔ جو ہو رہا ہے اور جس کے خلاف ڈاکٹر گلیڈ اعتراض کرتے ہیں وہ پیداواری مڈل کلاس کا جبری استحصال اور اُسے خوفزدہ کرنا ہے تاکہ غربت، بیماری اور معاشرتی انتشار کے اُن امراض میں اضافہ کیا جا سکے جن کا آئے روز ہم میڈیا میں سامنا کرتے ہیں۔

تصوراتی قیادت کے یہ ڈھانچے، نئی اور پرانی یوجی نکس تحریک کے آئیڈیلز کی سچائی کے پرچار میں رکاوٹ بنتے ہیں۔۔۔اور اپنے آپ کو پیرس، جنیوا، نیویارک، برسلز میں "انسان دوست" آگاہوں کو دیکھ کر خوش کر لیتے ہیں۔ یہ بین الاقوامی تنظیمیں۔۔۔ہم اِن سب کو جانتے ہیں۔۔۔اپنی پارٹیوں (جنہیں یہ کانفرنس کہتی ہیں) کے لیے کئی بلین ڈالر خرچ کرتی ہیں۔ خیال یہ کیا جاتا ہے کہ بقیہ ڈالرز ضرورت مندوں میں بانٹے جاتے ہیں لیکن اصل میں یہ وہ لٹیرے چوس لیتے ہیں جو تیسری دنیا کا دُکھ بھرا شو چلاتے ہیں۔ غریب مزید غربت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اُن کی زندگی کے حالات مزید خراب ہو جاتے ہیں جن کی مثال تاریخ کے کسی دور میں نہیں ملتی۔

یوجی نکس انسانی بہتری کا وہ تصور ہے جس میں ہماری نوع کے ارتقائی مستقبل میں بہتری کے لیے حقیقی سائنسی اور پھر معاشرتی پالیسی کے امکانات ہیں۔ یہ زبان اور غلط فہمی کی عفریتوں کا شکار ہے۔ اِس کو سمجھنے کی مشکل میں جو لسانی اور معنویاتی الجھن اہم ہے، وہ ہولو کاسٹ (عظیم قتلِ عام) سے متعلق جرمن اور یورپی وضاحت کی خوفناک یادیں ہیں۔

میں ڈاکٹر گلیڈ کی اُس داستان کو واضح اور فیصلہ کن طور پر کھوکھلا (پنکچر) کرنے پر ایک تبصرہ پیش کرنا چاہوں گا جس کے مطابق نازیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اصل میں یوجی نکس کے پروگرام میں شامل رہے ہیں۔ نازیوں کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ سوشلزم کا حصہ رہے ہیں! اگر ہم یوجی نکس کو انسان کی طبعی اور ذہنی بہتری پر محیط ایسا پروگرام کہتے ہیں جو مقامی اور عمومی طور پر معاشرے کو فائدہ پہنچاتا ہے' تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہولوکاسٹ، یوجی نکس کے عمل کے اُلٹ

تھا۔ نازیوں نے نہ صرف یہ کہ یوجی نکس تحریک میں شمولیت پر اعتراض نہیں کیا بلکہ وہ جانتے تھے کہ وہ فتوریاتِ نسلی (dysgenics) پر عمل کر رہے تھے۔

انہوں نے تمام مطلق العنان حکومتوں کی طرح اپنے اعمال کو پروپیگنڈے کی بک بک میں چھپائے رکھا' جس نے سادہ لوح افراد کے سامنے خود کو درست ثابت کرنے کے اِس سراب کو درست ثابت کرنے کا جواز پیدا کیا۔ اُن کے بامقصد اعلامیے (Mission Statements) اور بلاشبہ اُن کے ناقابلِ ذکر اعمال (قوانین) کا محتاط مطالعہ واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ وہ اِس بات کو جانتے تھے کہ وہ ایسے افراد (ایسی قوم) کا خاتمہ کر رہے تھے جو خود کو اُن سے برتر سمجھتے تھے اور جرمن برتری کو یہ خطرہ ہزار سال سے لاحق تھا۔ انہوں نے یہودی قوم، اُن کے نسلی ورثے، جدا یہودی بستیوں، اِن بستیوں سے نکلنے کے بعد اُن کے تہذیبی رویوں، اُن کے فخر و غرور اور مفروضہ معاشی سازشوں پر کیچڑ اچھال کر اپنے اعمال کو چھپانے کی کوشش کی۔ یہ تمام چیزیں بالخصوص زندگی کے تمام شعبوں میں یہودیوں کا غلبہ یہودی بستیوں سے نکلنے کے بعد بہت مختصر عرصہ تک قائم رہ سکا۔ نازیوں کے لیے جرمن قوم کی قیادت کے دعوے کو پورا کرنا عالمی چیلنج بن گیا۔ اور یہ (رویہ) اُس قوم کی جانب سے تھا جو جرمنی میں آبادی کے محض ایک فیصد اور تمام آسٹرو ہنگیرین سلطنت میں قریباً چار فیصد تھی۔

کسی کو یہ جاننے کے لیے کہ یہودیوں سے نفرت، مذہب سے نفرت نہ تھی بلکہ یہ اُس قوم سے نفرت تھی۔۔۔صرف اُس نزاعی لٹریچر کو پڑھنا ہوگا جو اُنیسویں صدی سے جرمن/ آسٹرین سیاسی / تہذیبی پس منظر سے جنم لے رہا ہے۔ متعدد یورپین بدخواہ گروہوں نے اِس مسئلے کا جو ابتدائی اور واضح حل بلا سوچے سمجھے پیش کیا' وہ اگر ممکن ہو تو دنیا' ورنہ کم از کم یورپ سے یہودیوں کا ممکنہ صفایا تھا۔ یہ بات واضح ہے کہ نفرت کا یہ تنازعہ غالب آنے کے لیے اِسی طرح کے برِ اعظمی ماحول میں ایک خطرناک رقیب کے صفائے میں آسانی پیدا کرنے کے لیے تخلیق کیا گیا تھا۔

غرضیکہ یہودیوں کی وہ نسل کشی جس میں تمام یورپ بیقراری سے شریک تھا، یوجی نکس کے اپنی راہ سے ہٹنے کی مثال نہیں ہے اور ڈاکٹر گلیڈ بھی یہی تجویز کرتے ہیں۔ یہاں مجھے کچھ اعتراض ہے۔ (میرے نزدیک) اِس کے برخلاف ہولوکاسٹ ایک وسیع فتوریاتِ

نسلی (dysgenics) پروگرام تھا جس کا مقصد یورپ کو تعداد اور سیاسی لحاظ سے بے حد چھوٹی اقلیت کے ذریعے (اُس وقت) موجود عیسائی اقتدار کے لیے برتر، ذہین مقابلہ کرنے والوں سے چھٹکارا دلانا تھا۔

ہوا میں خاک اُڑانا (To throw dust in the air) خانہ بدوشوں کی نسل کشی کا معاملہ مسلسل پیش کیا جاتا رہا ہے تاکہ 1933 اور 1945 کے درمیان یورپ میں یہودیوں کے انجام کی اصل حقیقت پر پردہ ڈالا جا سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ خانہ بدوشوں کو ایذا دی گئی اور ہٹلر انہیں حقیر جانتا تھا۔ لیکن نازیوں کی گمراہ بے عقلی کے لیے نسلی خانہ بدوش، مغربی یورپی نو مذہبوں سے مختلف تھے اور قدیم آریائی نسل کی نمائندگی کرتے تھے۔ سو آریایوں کی طرح خانہ بدوشوں کو سوچی سمجھی مکمل نسل کشی کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔

اِس نسل کشی کا آغاز نازیوں کے 1933 میں جرمنی اور 1938 میں آسٹریا میں حکومت میں آنے سے ہوا۔ یہ بے ترتیب اور حیوانی عمل تھا لیکن کئی جرمن اور آسٹریائی یہودیوں نے مناسب انداز میں اپنا دفاع کیا۔ اُس وقت بے حد نفرت پھیلی ہوئی تھی اور جب نازیوں کو احساس ہوا کہ برطانیہ اور سوویت یونین اب بھی ان کے ظلم کے بے حد خلاف تھے جبکہ امریکہ پرل ہاربر کا زخم کھانے کے بعد غصے میں پھر سے مسلح ہو گیا تھا تو جرمنی، آسٹریا اور مقبوضہ علاقوں میں جنوری 1942 تک قابلِ حقارت ظلم کا انتشار پھیلا ہوا تھا۔ جرمنی کے شمال میں وان سی کے مقام پر حتمی حل کی درخواست کی گئی اور یہ (حل) صنعتی لحاظ سے یورپ کے بقیہ یہودیوں کی تباہی تھی۔ اگر جرمنی کا غلبہ نہیں ہو سکا تو کوئی ایسا یہودی زندہ نہ رہنے دیا جائے جو اپنی کامیابی پر انتقاماً خوش ہو سکے۔

ہولوکاسٹ کے حقیقی معنی کے بارے میں مزید ایک ذہنی رکاوٹ خود یہودی کمیونٹی میں پائی جاتی ہے اور یہ یہودیوں کا اِس واقعے کو فتوریاتِ نسلی (dysgenics) کی ایک مثال ماننے سے انکار ہے۔ کئی لوگوں کو یہ خطرہ ہے کہ ایسا کرنا محض اِس خیال کو حقیقی شکل دینا ہے کہ توریت کے مطابق یہودی اب بھی اپنے آپ کو منتخب کردہ اور پسندیدہ قوم مانتے ہیں۔ اِس کو تسلیم کرنے سے انہیں پھر سے دکھ کا سامنا کرنا ہوگا۔

غرضیکہ اِن دہائیوں میں یورپ میں رونما ہونے والے واقعات یوجی نکس کی مثال

نہ تھے جو ایسا لبرل اور انسان دوست خیال ہے جس کی دھجیاں اڑا دی گئیں۔ اِس کے برعکس جیسا کہ اوپر کہا گیا یہ باقاعدہ سوچا سمجھا فتورِ نسلی (dysgenics) کا پروگرام، برتر قوم کا خاتمہ (aristocide) اور بیسویں صدی کے دوسرے نسل کش منصوبوں کی مانند تھا۔ ہم اِس صدی میں نفرت کے اُس تصور کو اور کس طرح بیان کر سکتے ہیں جو اتنے قابل انسانوں کی تباہی کا سبب بنا جو کہ مہذبانہ انداز میں کامیاب نسلی اور معاشرتی گروہوں کے ممبران تھے۔ سو آرمینیا سے بیافرا اور کمبوڈیا تک ہم نے یہاں اپنے سیارے پر کئی لاکھ بے حد ذہین اور پیداواری (زرخیز) صلاحیت کے حامل افراد کی dysgenic تباہی دیکھی ہے۔

بیسویں صدی کی حقیقی "کامیابی" کو نہ پہچان کر ہم نے گویا یوجی نکس تحریک کے آئیڈیلز کو نقصان پہنچایا ہے۔ ہم نے یوجی نکس کے اصل مقصد کی وسیع وضاحت کو مزید مشکل بنا دیا ہے۔

ڈاکٹر گلیڈ کی کتاب کی تخیلی خصوصیات پر زور دینا اور بھی اہم ہے کیونکہ "نازی یوجی نکس" کی یہ نفرت انگیز داستان پیش کر کے بھی اکیسویں صدی میں یوجی نکس تصور کی تحریک کو تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ افراد پر ایک ہی انداز میں زور ڈالنا چاہئے کہ ہمیں درپیش مسائل کے حل کے لیے ایسی صحت مند نسلِ انسانی کی ضرورت ہے جو فطرت سے مطابقت رکھتی ہو۔ اِس کے لیے موجودہ راسخ العقیدہ بین الاقوامی سوچ کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنی دولت کو نا قابلِ تلافی شئے کا ازالہ کرنے کے بجائے اِس چیز کو وضاحت سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ نسلِ انسانی کے لیے کیا اقدامات کئے جانے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر گلیڈ اِس کو واضح کرتے ہیں: اعلیٰ آفاقی ذہانت، انسان دوستی، ہماری موجودہ صورتحال کا عملی تجزیہ۔ ہماری دنیا اکثریتی نا اہلی پر کام کر رہی ہے جس میں کمزوری، ممکنہ طبی اور ماحولیاتی تباہی بھی شامل ہے۔ یوجی نکس کا پروگرام کئی لاکھ خاندانوں کے افزائشِ نسل اور صحت مند نوجوانوں کی پرورش کے لیے جاری ٹھوس یوجی نکس فیصلوں سے بڑھ کر ہے۔ اِس کے ذریعے سیاسی اہمیت کے حامل افراد، نہیں تو مختلف افراد سائنس کے اصولوں پر عمل کر کے مزید تکلیف اور تباہی کو روک سکتے ہیں۔

عالمی سطح پر یوجی نکس کی منظّم تحریک چند صدیوں یا پھر دہائیوں میں اُمید کا پردہ اٹھا کر اُسے متوسط طبقے کے لیے اِس فکر سے تبدیل کر سکتا ہے کہ یہ طبقہ پچھلی صدیوں میں مایوسانہ

انداز میں دوسروں کی اقدار اور عقائد اپنا تا جا رہا ہے۔

ہم ایک سائنسی حقیقت کے سرے پر ہیں یعنی حیاتیاتی فطرت کا ایسا انکشاف جسے کبھی سوچا بھی نہ گیا ہو۔ نہ صرف یہ کہ اب پیدا ہونے والے بچوں میں ممکنہ معذوری کی شناخت اور اُن میں بانجھ پن کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے بلکہ بائیولوجیکل طور پر کسی بھی طرح افزائشِ نو ناممکن ہونے کی صورت میں کسی مطلوبہ بچے کی کلوننگ بھی کی جا سکتی ہے۔ اِس کے علاوہ آج دنیا بھر میں سائنسدان حمل کے ابتدائی مراحل میں ایسی انزائمی علامات کی تلاش کر رہے ہیں جو کم اور زیادہ ذہین جین کی نشاندہی کر سکیں۔ خاندانوں کے مابین ذہانت کے فرق کی بے ترتیب فطرت کو سامنے رکھتے ہوئے جب یہ مظہر دریافت ہوں گے تو والدین اپنے پیدا ہونے والے بچے کی ممکنہ ذہانت کا چناؤ کر سکیں گے۔ یہاں عوام ایک بار پھر اپنی ٹیسٹ ٹیوبز کے ذریعے ایک یوجی نکس حل کے لیے ووٹ دیں گے۔ غالبًا ماہرِ حیاتیات (بائیولوجسٹ) بینٹلے گلاس ہی نے ایک بار کہا تھا کہ بالآخر جنسی رشتے اپنے پیداواری کردار سے آزاد ہو جائیں گے۔ کیا یہ یوجی نکس ہے؟

مشکل یہ ہے کہ اب ہمیں اشرافیہ کو یہ سکھانا ہے کہ سائنسی علم اور محتاط عدالتی اور اخلاقی نظم و ضبط کے ذریعے کئے جانے والے حیاتیاتی فیصلے ہمیں وہ دنیا حاصل کرنے میں مدد دے سکتے ہیں جس کی ہمیں خواہش ہے۔ یہ عقیدۂ مساواتِ نسلِ انسانی کے نام نہاد حمایتیوں کے امراض کی اُس المناک دلدل' جو وہ ہمارے بچوں کو دے رہے ہیں' کے بجائے نسلِ انسانی کی امید کے لیے حقیقی، عملی اور سائنسی طور پر ثابت شدہ ثبوت ہے۔

جان گلیڈ کی ''مستقبل کا انسانی ارتقاء'' ایک اہم کتاب ہے۔ اِسے کئی پڑھنے والوں کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اِس مقصد کو حاصل کرے گی۔

OOO

''موجودہ نسل اور اگلی کئی نسلوں کے مرد اور عورتو! میں تمہارے ساتھ ہوں''

والٹ وِٹ مین، "Crossing Brooklyn Ferry"

باب اوّل

موضوع کا تعارف

جنگِ عظیم اول اور اُس کے بعد آنے والی کساد بازاری نے تاج برطانیہ کی طبقاتی اختیارات کی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے پیچھے ایک ایسا خلا چھوڑ دیا تھا جس کی جگہ شدت پسند عقیدۂ مساواتِ انسانی کے عقلی ماحول نے لے لی۔ بیسویں صدی کا مغربی معاشرہ ایک نئے، متحدہ تصور کے زیرِ اثر تھا۔ فرائڈ ازم، مارکس ازم، بی ایف سکنر کے نظریۂ کردار، فرانز بوآز کی ثقافتی تاریخ اور مارگریٹ میڈ کی نشریات۔۔۔ یہ سب نوعِ انسانی (Homo Sapiens) کی شاندار "ڈھالے جانے (نرمی) کی صلاحیت (plasticity)" اور "پروگرام کئے جا سکنے" پر زور دیتے ہیں۔ بار بار اِس بات کی وضاحت کی گئی کہ انسانی ذہنوں میں اپنی جبلی خصوصیات کے لحاظ سے بہت کم فرق پایا جاتا ہے اور یہ کہ انسانوں کے مابین پائے جانے والے فرق کی تعلیم و تربیت کے لحاظ سے وضاحت کی جا سکتی ہے۔ سافٹ ویئر ہی اہم ہے، ہارڈ ویئر ایک ہے اور اِسی وجہ سے غیر اہم ہے۔ کسی مثالی جنت تک پہنچنے کا راز صرف بہتر پرورش میں ہے۔

بیسویں صدی کی آخری تہائی میں جہاں سائنسدانوں کو عام طور پر نظریۂ ارتقاء پڑھانے کی آزادی تھی، وہاں یہ آزادی نسلِ انسانی کے آئندہ ارتقاء کے موضوع کو اٹھانے کے لیے نہ دی گئی۔ یہ بے حد حیران کن ہے کہ اِس دباؤ کا تعلق، ہمارے جینیات کی فہم میں انقلاب سے بنا۔ اب یہ احتساب (سنسرشپ) ختم کر دیا گیا ہے اور یوجی نکس تحریک کے سخت حریف بھی اِس بات پر متفق ہیں کہ اب یوجی نکس پر مزید پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔

اِس سے نہایت اہم معاملات جڑے ہوئے ہیں کہ مستقبل میں نسلِ انسانی کی جینیاتی ساخت کے بارے میں بہت کم افراد کے متفکر ہونے کے باوجود اِس سلسلے میں ایک بھی

نظریاتی چنگاری، ہر چیز کو جلا کر راکھ کر دینے والی آگ پیدا کر سکتی ہے اور اکثر (باہمی) عداوت، منطقی بحث میں رکاوٹ بنتی ہے۔ لیکن معاشرہ اِن معاملات سے بچنے کی جتنی شدید کوششیں بھی کرے، وہ پہلے سے ہمارے سامنے موجود ہیں اور ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم اگر انہیں حل نہ بھی کر سکیں تو کم از کم انہیں مناسب اہمیت تو دیں۔ میں اِس کتاب میں اب تک وسیع پیمانے پر دبائے جانے والے وہ دلائل پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں جو یوجی نکس تحریک کی موجودہ نشاۃِ ثانیہ کے لیے دیے جاتے ہیں۔

ہم انسان اپنی کامیابیوں پر جتنا بھی ناز کر لیں کم ہے، لیکن اس کے باوجود ہم وجود سے متعلق اہم سوالوں کے جوابات سے آج بھی اتنے ہی دور ہیں جتنے غاروں میں رہنے والے انسان تھے۔ وقت چاہے آگے اور پیچھے لامتناہی طور پر پھیلا ہو یا پھر آغاز اور اختتام کا حامل ہو۔۔۔ دونوں ہی صورتوں میں ناقابلِ تصور ہے۔ نفسیاتی طور پر ہمیں ایک نقشے۔۔۔ یعنی وجود کے تصور اور کائنات میں اپنے مقام (کو جاننے) کی ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے ہم وہ تفصیلی داستانیں تشکیل کرتے ہیں تاکہ ہم اُس ناقابلِ برداشت خلا کو پُر کر سکیں۔ کائنات اور نسلِ انسانی کے کسی نظریے کو دائمی رہنے کے لیے اُس کا پہلے ہمارے لیے کائنات کی وضاحت کرنا اور پھر ہمارے خوف کو کم اور ہماری خواہشات کو پورا کرنا لازمی ہے۔ دلیل لازمی شرط نہیں ہے۔ داستانیں خود اپنی تردید کر سکتی ہیں اور حقیقی دنیا سے مختلف ہونے کا تو ذکر ہی کیا۔ ہم اِس بات سے بالاتر ہو کر اپنے آپ کو Middle King مانتے ہیں کہ ہم کب اور کہاں رہتے ہیں اور ہم یا تو دوسری تہذیبوں کے داستانیں بنانے پر منکسرانہ انداز میں مسکراتے ہیں یا پھر اُن پر اپنا (بے مثل طور پر درست) زندگی کا نظریہ لاگو کرنے کے لیے اُن سے جنگ کرتے ہیں اور اگر ہم ہتھیار بنانے میں بہتر ہیں تو عموماً ہم جن پر جسمانی طور پر فتح پا چکتے ہیں، انہیں اپنی داستان کے اُن کی داستانوں سے برتر ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔

اُنیسویں صدی کے وسط تک مغربی دنیا (تورات کی) کتابِ اول (Book of Genesis) کے لفظی مفہوم پر یقین رکھتی تھی لیکن پھر نظریۂ ارتقاء نے انسان کی ابتداء کی بالکل مختلف وضاحت پیش کی۔ آج مذہب اور سائنس کے مابین مطابقت پیدا کرنے کے لیے ہم نے ایک نئی داستان تخلیق کر لی ہے جو تضادات سے بھرپور ہے مگر یہ حیران کن امر

نہیں۔ اُن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) گو کہ حیوانوں اور نباتات کی دوسری اقسام میں چند نسلوں میں اہم تبدیلیاں واقع ہو سکتی ہیں لیکن ہم اِس بات پر قائم ہیں کہ انتخاب اور ترجیحی جفتی (selective making) کی ہزاروں نسلوں میں بے حد مختلف حالتوں نے ہماری نوع میں بے حد مصنوعی تبدیلی پیدا کی ہے۔

(ب) (عام آدمی کے برعکس) عقل رکھنے والے لوگ اِس بات پر مکمل یقین رکھتے ہیں کہ ہم ارتقاء کا نتیجہ ہیں لیکن انہوں نے مکمل طور پر اِس عجیب مفروضے میں پناہ لے رکھی ہے کہ انسان وہ مخلوق ہے جو اِس عمل سے متاثر نہیں ہوتی۔

(ج) گو کہ تقریباً ہر قسم کی سرگرمی میں استعداد اور سمجھ بوجھ کا خرچ معاشرہ برداشت کرتا ہے لیکن یہ دعویٰ کرنا ایک رواج بن گیا ہے کہ ایسے عناصر معاشرتی طبقوں کی تشکیل میں کوئی کردار ادا نہیں کرتے۔ یہ وہ طبقات ہیں جن کے بارے میں مکمل طور پر یہ مانا جاتا ہے کہ یہ موقع اور حق سے متاثر ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ محققین جو مطبع خانوں اور عملی سرگرمیوں میں حاوی ہوتے ہیں، انسانی آبادیوں میں مختلف فطری شرحِ ذہانت پائے جانے کی تردید کرتے ہیں۔

(د) ہم نے علمی ٹیسٹنگ کی بڑی صنعت تیار کر لی ہے لیکن اِس کی دریافتوں کو وسیع پیمانے پر نہ صرف اندازہ مانا جاتا ہے بلکہ اِن کی صحت پر بھی زیادہ اعتبار نہیں کیا جاتا۔

(س) خاندانوں کے سائز چھوٹے ہونے کی تبدیلی کے ساتھ ہم نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ عقل کے اعتبار سے باصلاحیت افراد اپنا متبادل لانے میں ناکام رہے ہیں۔۔۔ اور یوجی نکس کے ابتدائی حمایتیوں کو یہی خطرہ لاحق تھا لیکن ہم اِس مظہر کو فطری مانتے ہیں۔

(ص) فطری انتخاب کے خاتمے کے لیے ہم "میڈیسن" نامی ایک عمل کو زیادہ سے زیادہ لاگو کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہمیں اِس بات پر پختہ یقین ہے کہ فطری انتخاب کے متبادل کو عمل میں لانے میں ہمارے تامل سے مستقبل کی نسلوں پر کوئی فرق نہ پڑے گا۔

(ش) انسانی جینین کے نقشے کو سمجھنے کے لیے سخت محنت کرنے کے علاوہ ہم طرزِ عمل پر بھی مسلسل اخلاقی معیار لاگو کرتے رہتے ہیں جسے ہم جلد ہی سائنسی طور پر واضح کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔

(ض) دوسری تمام حیوانی مخلوقات کی طرح ہمارا معاشرتی رویہ بھی بنیادی طور پر جماع کے گرد گھومتا ہے اور اِس عمل سے متعلق ہماری فہم ہزار ہا چھپی ہوئی پابندیوں اور غیر معقول باتوں کے تابع ہے۔ حقیقت اور تصور کا درمیانی فاصلہ اِس سے زیادہ بھدا نہیں ہوسکتا۔

(ط) ہم نے جینیاتی طور پر ذات پات پر مشتمل معاشرہ بنالیا ہے جو کہ کم اختیارات کی حامل ذاتوں میں پیدا ہونے والی ذہانت کا انتخاب کر کے اِن ذاتوں کا بے حد مہارت کے ساتھ استحصال اور استعمال کرتا ہے اور اِسکے ساتھ ہی ساتھ مساوی موقع کو ہمارا انتخابی نشان ہونے کا اعلان کرتا ہے۔

(ظ) ہم یہ پہچاننے سے انکار کرتے ہیں کہ ہم وہ مخلوق ہیں جو بیماری کی تعریف پر مکمل طور پر پوری اترتی ہے اور جو (بے حد عارضی طور پر) اپنے آپ کو فطری انتخاب کی قید اور فطری ذرائع کے محدود ہونے سے آزاد کرتی ہے اور یہ سب صرف اِس لیے تا کہ ہم اپنے آپ اور اپنے ساتھ رہنے والی دوسری مخلوقات پر تباہی لاسکیں تا کہ اِس کے ذریعے ہم اُس host یعنی اِس سیارے پر بڑا حملہ کرسکیں جس پر ہمارا انحصار ہے۔

(ہ) ہم نے ذرائع کو مکمل طور پر استعمال کرنے پر ایک ناقابلِ برداشت معیشت کی بنیاد رکھی ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ ہم مزید

خرچ (اتلاف) کو معاشرے کا مقصد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

(ی) ہم آزادیٔ رائے کی بات کرتے ہیں جبکہ اِس کے ساتھ ساتھ ہم انسانی جینیات کے شعبے میں کسی بھی خیال کی شدید مذمت کرتے ہیں کیونکہ اِسے معاشرے کا کوئی بھی اہم حصہ ناپسندیدہ مانتا ہے۔

غرضیکہ ٹیکنالوجی میں ترقی نے نہ صرف یہ کہ داستانوں کا خاتمہ کیا بلکہ اِسے بائیولوجی کی تردید میں بھی تبدیل کردیا۔ کسی بھی سیاسی عمل میں مصالحت کا تعین (اُس میں) شامل افراد کی اضافی طاقت پر ہوتا ہے یعنی فیصلہ کرتے وقت آئندہ نسلوں کا خیال نہیں رکھا جاتا۔

عمومی رائے اور تعصب کے برعکس سائنس کے حقائق سے گریز ممکن نہیں ہے۔ آپ اِس جملے کو پڑھنے میں جتنا وقت صرف کریں گے اُس دوران نسلِ انسانی جینیاتی لحاظ سے ترقی کر چکی ہوگی۔ سیلا کینتھ مچھلی کی طرح ایسی مخلوقات ہیں جو ناقابلِ یقین طور پر چارسو ملین سالوں سے زندہ ہیں لیکن ایسی مخلوقات بے حد کم ہیں۔ ارتقائی سلسلے میں انسان (Homo sapiens) سب سے نئی کڑی ہے اور پچھلی صدی کے دوران اِس کی آبادی میں انتخاب کو کنٹرول کرنے والے حالات میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔

آخر میں ہم نے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم ایک مخلوق کی حیثیت سے اپنے آپ سے کتنے خوش ہیں۔ یہ وہ عظیم دوراہا ہے جو جینیاتی مداخلت کے حمایتیوں اور مخالفین کو تقسیم کرتا ہے۔ اپنے ذاتی رویوں سے بالاتر، اِس حقیقت کو کسی طرح جھٹلایا نہیں جا سکتا گو کہ کئی لوگوں نے جینیاتی لاٹری جیتی ہے لیکن ایسے بھی کئی افراد ہیں جن پر قسمت اتنی مہربان نہیں رہی۔

یوجی نکس تحریک جسے انسانی ماحولیات سمجھا جا سکتا ہے، کو بھی ایک طویل عرصے سے آئندہ نسلوں کے لیے لابی مانا جاتا ہے اور یہ دلیل دی جاتی ہے گو کہ یہ بات درست ہے کہ ہمیں اپنی مستقبل کی پیشگوئی کرنے کی صلاحیت پر زیادہ مغرور نہیں ہونا چاہئے لیکن ہم جو چاہتے ہیں اُسے بیان کر سکتے ہیں۔۔۔ صحت مند، ذہین بچے جو بالغ ہو کر جذباتی لحاظ سے متوازن اور انسان دوست افراد بنیں۔

اب جب زیادہ تر افراد بچے پیدا کرنے کے بہترین سالوں کے بعد کافی عرصہ زندہ رہتے ہیں تو مستقبل میں اِس کرّہ ارض کو بھر دینے والے افراد وہ نہ ہوں گے جنہوں نے فطری

انتخاب کا خوفناک عمل برداشت کیا بلکہ یہ ایسے افراد ہوں گے جن کے بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔ اب ہم شرحِ اموات کے بجائے زرخیزی کے ذریعے انتخاب کر سکتے ہیں۔۔۔ اور یہ ایک انقلابی تبدیلی ہے۔

نظریاتی لحاظ سے ہم اب۔۔۔حتمی طور پر اِس بات پر متفق ہیں کہ مساوی مواقع (کی فراہمی) ایک پسندیدہ مقصد ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ ہم اپنے آپ کو ایسے معاشرتی مزاج کے شکنجے میں پاتے ہیں جو اِس بات پر اصرار کرتا ہے کہ نہ صرف ہمیں مساوی حقوق حاصل ہوں بلکہ اِس بات پر بھی کہ عملی طور پر ہم سب ایک جیسے ہیں اور ہمارے درمیان محض تربیت کا فرق پایا جاتا ہے۔

خوش قسمتی سے ہم میں سے ہر ایک، ایک منفرد شخص ہے اور یہ انوکھا پن اُن نسلی اور قومی گروپوں میں بھی پایا جاتا ہے جنہیں ہم تشکیل کرتے ہیں۔ ہم مختلف سافٹ وئیر کی حامل ایک جیسی مشینیں نہیں ہیں۔ کسی استثنا کے بغیر تمام نسلی گروپوں نے جینیاتی لاٹری میں کامیاب اور ناکام دونوں اقسام کے افراد پیدا کئے ہیں۔ مداخلت پسند افراد کی دلیل ہے کہ اپنے بچوں کو اپنے پرانے ورثے کے بجائے وہ بہترین' غیر معمولی ورثہ دینے کے لیے ہر ممکنہ کوشش کرنا ہمارا فرض ہے' جو اُن میں سے ہر ایک کے لیے ممکن ہو۔ مداخلت پسندی کی مخالفت کرنے والوں کا یہ کہنا ہے کہ نسل در نسل منتقل ہونے والے بیٹن کا خاتمہ کر کے ہم نا قابلِ تلافی تباہی پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی فیصلہ (حتمی) فیصلہ نہیں ہوتا۔

روزمرہ کے ہمارے کئی فیصلے جینیاتی نتائج سے بھرپور ہوتے ہیں۔ کن کے بچے پیدا ہونے والے ہیں اور کتنے؟ زرخیزی کو متاثر کرنے والی ہر چیز' نئے انتخاب میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اِس میں کسی مانع حمل شئے کے حصول کے لیے ادویات کی نئی دکان تک چہل قدمی، اسقاط حمل کرنے والے کلینک جانا یا پھر کیریئر اور تعلیم کے لیے بچوں کی تعداد میں کمی یا بچے پیدا کرنے سے مکمل طور پر دست برداری کا فیصلہ شامل ہے۔ فلاحی آبادی کے علاوہ تمام افراد کی مفت ڈے کیئر اور بچوں کی پرورش کے لیے مالی امداد نہ دے کر حکومت چند افراد کو بچے پیدا کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور چند دوسرے افراد کو اِس سے روکتی ہے۔ اور یہ پالیسی جینیاتی انتخاب کے سلسلے میں بے حد اہمیت اختیار کر چکی ہے۔

یو جی نکس کے حمایتی دلیل دیتے ہیں کہ ہمیں اِس مادی دنیا میں حیاتیاتی مخلوق کے اپنے مقام کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ اُن کا یہ ماننا ہے کہ دوسرے حیوانوں سے بڑھ کر فلسفیانہ اہمیت کی مخلوق کی حیثیت سے زندہ رہنے کے لیے ہمارے پاس افزائشِ نسل کے شعبے میں آئندہ نسلوں کی خاطر اپنے حقوق کو کم حیثیت دینے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اِس کے علاوہ ہمیں اپنی آبادیوں کو اُن اصولوں کے تحت منظّم کرنے کا آغاز کرنا ہو گا جو جب دوسری مخلوقات پر لاگو کئے جائیں تو اُن پر مکمل اتفاق ہو۔ مختصر یہ کہ وہ فطری انتخاب کو سائنسی انتخاب سے تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ یو جی نکس اور شماریات کے "بانی" سر فرانسس گلیٹن کے الفاظ میں ''فطرت جو کام بغیر دیکھے، آہستگی اور بے رحمی سے کرتی ہے وہ کام انسان کو سوچ سمجھ کر، تیزی اور نرمی سے کرنا چاہیئے' چونکہ ایسا کرنا اُس کے اختیار میں ہے سو اِس پہلو پر کام کرنا اُس کا فرض بن جاتا ہے۔''(۱)

یہ کتاب حیات اور ذہانت کے معنی اور اِس کائنات میں ہمارے مقام سے متعلق ہے۔ یہ زندگی، اپنے بچوں سے ہماری محبت اور والدیت کے بوجھ اور ذمہ داریوں کے شعوری فلسفے پر مبنی ہے۔ یہ مجلسی دوستی کے جذبے کے ساتھ نیک نیت رکھنے والے مرد اور خواتین کو پیش کی جاتی ہے۔۔۔جن میں یو جی نکس تحریک کے حمایتی اور مخالفین دونوں شامل ہیں۔ امید ہے کہ اُن میں سے کئی ایک جیسی اقدار، امیدیں اور خوف رکھتے ہوں گے۔ اور کچھ نہ سہی لیکن ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کرنے کے حق پر اتفاق کرنا چاہیئے۔

علم اصلاح نسل انسانی (یو جی نکس) کی تحریک تاریخ، اقدار اور جذبات سے بھرپور ہے اور یہ اپنے آپ کو سائنس پر مبنی سمجھتی ہے لیکن یہ محض سائنس تک محدود نہیں ہے۔ یہاں میں اجتماع نقیضین (syncretic) کے طریقے میں کئی شعبوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں قاری سے ایسے معاملات پیش کرنے کی فہم کے بارے میں پوچھوں گا جو مختلف محسوس ہوں گے لیکن زندگی سے متفق کوئی بھی سنجیدہ، وسیع النظر نظریہ لازمی طور پر انتخابی ہوگا۔

نسلِ انسانی جینیاتی طریقہ کار، نئی بائیوٹیکنالوجی اور اُن انسانی صحت اور رویوں سے متعلق سائنسی وضاحت جنہیں پہلے اختلافی منشور کے ذریعے پرکھا جاتا تھا۔۔۔کی عمومی فہم کے انقلاب کے پہلے درجوں میں داخل ہو چکی ہے۔ روشن خیالی کے' جن کو جہالت کی بوتل میں بند

نہیں کیا جا سکتا' چند ہی سالوں میں انسان کا مکمل انسانی بلیو پرنٹ اپنے ہاتھوں میں ہونے کا خیال ہی حیران کن اور کسی حد تک خوفزدہ کر دینے والا ہے اور ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ جینیات کے شعبے میں آئندہ دریافتوں سے ہمیں وہ صلاحیتیں حاصل ہو جائیں گی جن کا ہم آج تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کونسی چیز فطرت سے منسوب کی جائے اور کس کی نشونما کی جائے۔۔۔اِس پر اختلافِ رائے انوکھا معلوم ہوگا کہ ہمیں بحیثیتِ مخلوق اپنے آپ سے یہ سوال کرنا ہوگا کہ ہمیں آگے کیا کرنا ہے اور مثالی جنت نہ سہی لیکن آج کی نسبت اُس کے قریب کیسے پہنچا جائے یا پھر کم از کم یہ کہ زندہ کیسے رہا جائے۔

یوجی نکس کے حمایتی اپنے مقصد کو انسانی حقوق کی جدوجہد کا حصہ سمجھتے ہیں۔۔۔۔ یعنی اُن لوگوں کے حقوق کی جدوجہد جو ہمارے بعد آئیں گے۔ وہ مارٹن لوتھر کنگ کی طرح یہ دلیل دیتے ہیں کہ ہمیں اِس بات پر بھی غور کرنا چاہیۓ کہ کیا ہم کبھی جنت (ارضِ موعودہ) حاصل کر سکیں گے۔ شاید کوئی آخری منزل (ہدف) نہیں ہے، صرف تلاش ہی ہے لیکن اپنے بچوں کی خاطر ہم پر یہ فرض ہے کہ اِس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ بحیثیتِ انسان ہم سے بہتر ہوں گے اور یہ کہ اُن میں ہماری اچھی خصوصیات زیادہ اور خامیاں کم منتقل ہوں۔

OOO

یہ بیدِ مجنوں!
تم کچھ اور کیوں نہیں اُگاتے
اُن لاکھوں بچوں کے لیے جنہیں ابھی پیدا ہونا ہے
اور ہمارے لیے بھی؟
کیا وہ غیر موجود نہیں ہیں یا پھر اُن کے خلیے سوئے ہوئے ہیں

ایڈگر لی ماسٹرز، "Spring River Anthology" میں "Columbus Cheney"

باب دوم

علمِ اصلاحِ نسلِ انسانی (یوجی نکس) کیا ہے؟

جب انسانوں کا عالمِ حیوانات کے ساتھ تسلسل ثابت ہوگیا تو انسانی لونی مادے (genome) میں بہتری کی بھرپور کوششیں ہونا ناگزیر تھیں۔ یوجی نکس بہرحال عام الفاظ میں عملی انسانی جینیات ہی ہیں۔ امریکن سوسائٹی آف ہیومن جینی ٹکس کے پہلے چھ میں سے پانچ صدور، یوجی نکس سوسائٹی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے ممبر تھے۔ تاریخی لحاظ سے جدید جینیات یوجی نکس تحریک کی ایک شاخ ہے اور اِس کے متضاد سمجھنا بالکل غلط ہے۔

مثبت یوجی نکس سے مراد وہ طریقے ہیں جو جینیاتی لحاظ سے بہترین افراد میں زرخیزی میں اضافے کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اِن میں مالی اور سیاسی محرکات، بدفی آبادیاتی تجزیے، درزجاجی زرخیز کاری (in vitro fertilization)، بیضے کی منتقلی (egg transplant) اور کلوننگ شامل ہیں۔ Pronatalist ممالک (یعنی ایسے ممالک جو اپنی شرح پیدائش میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں) پہلے سے ہی مثبت یوجی نکس کی معتدل اقسام کا آغاز کرچکے ہیں۔

منفی یوجی نکس کا مقصد ایسے افراد میں زرخیزی میں کمی کرنا ہے جو جینیاتی لحاظ سے بدقسمت واقع ہوئے (محروم) ہوں۔ یہ زیادہ تر خاندانی منصوبہ بندی اور جینیاتی مشاورت جیسی چیزوں پر مشتمل ہے۔ اِن میں اسقاط اور بانجھ کاری (sterlization) شامل ہیں۔ یہ تمام چیزیں بلاامتیاز تمام انسانوں کو فراہم کئے جانے کی تصدیق کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ کم ازکم، کم آمدنی رکھنے والے افراد کو یہ تمام سہولیات مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ یوجی نکس تحریک کے ابتدائی حمایتی جینیاتی انجینئرنگ سے لاعلم تھے۔ اِس سے مراد (جینیاتی لحاظ سے) بہتر اور محروم افراد میں بار بار تخلیق کے عمل کی حوصلہ افزائی یا حوصلہ شکنی کئے بغیر جنین کے تسلسل میں عملی مداخلت کرنا ہے۔

بھیڑیا، سانپ، خنزیر، میرے بغیر ادھورے ہیں
دھوکہ باز نظر، غیر سنجیدہ لفظ (بات)
بری خواہش، مجھ میں موجود نہیں
انکار، نفرتیں، تاخیر، خودغرضی، کاہلی
یہ سب مجھ میں موجود نہیں ہیں
والٹ وِٹ مین "Crossing Brooklyn Ferry"

باب سوم

سائنس

1- گزشتہ ارتقاء

قریبی تعلق رکھنے والی مختلف مخلوقات اور ذیلی مخلوقات (اجناس) کے درمیان کہاں لکیر کھینچنی ہے۔۔۔اِس سوال کا جواب مختلف مشاہدہ کرنے والوں کے درمیان مختلف طریقے سے حل کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک اُن جدید انسانی آبادیوں کا تعلق ہے جہاں سائنسدان متنازع معاشرتی اور سیاسی ایجنڈوں کا پیچھا کرتے ہیں، وہاں حدود کے تعین پر زور وشور سے بحث کی جاتی ہے۔

دوہرے تسمیہ (binomial nomenclature) کا نظام اٹھارویں صدی میں سویڈش ماہرِ نباتیات Karl von Linne (کارل وان لینے) نے قائم کیا تھا تاکہ (کم ازکم ہمارے سیارے پر) تمام جانداروں کے درمیان رشتوں کی نمائندگی کی جا سکے۔ یہ تمام جدید انسانی مخلوق کو اکٹھا کر کے Homo Sapiens کا نام دیتا ہے۔ آج تمام زندہ انسان۔۔۔چاہے وہ جنگلی، آسٹریلیا کے ابتدائی باشندے، جاپانی، اسکیمو یا پھر کاکیشیائی نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔۔۔ایک ہی مخلوق مانے جاتے ہیں اور کسی ذیلی مخلوق پر بحث کو شک اور مخالفت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ فرانسیسی سیاست دان جین میری لی پین کے نسلی عدم مساوات پر بیان کے جواب میں 1997 میں ایک بیان جاری کیا گیا جس پر ممتاز ماہرینِ حیاتیات نے دستخط کئے اور یہ بیان نوعِ انسانی میں دیگر کسی قسم کی نسل کے وجود کی تردید کرتا تھا۔ درحقیقت پہلی بار کسی دوسری نسل کی موجودگی کی تردید ایک یوجی نکسٹ جولین ہیکسلے نے

1935 میں کی تھی۔ پھر سیاسی واقعات کی وجہ سے یہ دعویٰ کیا گیا۔۔۔جو کہ ہٹلر کے یہودی مخالف بیانات کی تشہیر تھا (۲)۔ سو اب ہمارے پاس صرف ایک "جدید انسان" ہے اور وہ مختلف رنگوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ جدید جینیاتی تحقیق نے تمام انسانوں کے درمیان حیرت انگیز مشابہت ظاہر کی ہے لیکن اِس کے لیے انسانوں اور چمپینزیوں کے درمیان قریباً 99 فیصد غیر تضعیفی (non-duplicative) ڈی این اے مشترک پائے جانے کی دلیل دی جا سکتی ہے۔

عمومی طور پر سائنسدان اب اس بات پر متفق ہیں کہ جدید انسان کی ابتدا افریقہ میں ہوئی لیکن اِس سلسلے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے کہ گروپوں کے مابین پائے جانے والے موجودہ فرق کی ایک ہزار سال پرانے Homo erectus سے تعلق رکھنے والے نظریۂ ارتقاء کے ذریعے وضاحت کی جائے یا پھر Homo sapiens نسبتاً کچھ عرصہ بعد یعنی تقریباً 100,000-200,000 سال قبل نمودار ہوئے یا پھر جہاں انہیں دوسرے تارکِ وطن انسان ملے انہوں نے اُن کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا (replacement theory)۔ اِس بارے میں صرف قیاس ہی کیا جا سکتا ہے کہ ابتدائی انسان کس حد تک اپنی قسم کے دوسرے انسانوں کی نسل کشی کرتے تھے اور اِس سلسلے میں multi regionalists پر الزام عائد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بنیادی حیاتیاتی فرق کو اتنی اہمیت دی کہ وہ نسلی امتیاز معلوم ہونے لگا (۳)۔ سکالر سیمور اڑوف کے الفاظ میں یہاں ہمارے سامنے "اِس بات پر یقین کرنے کی خواہش موجود ہے جو اُن ذی عقل انسانوں کی گمراہی کی یاد دلاتی ہے جو سیاست اور معاشرتی سوچ میں جدا نظریاتی ماڈل رکھتے تھے"۔(۴)

چیتے اور گھوڑے کا شجرۂ نسب مفید متضاد ماڈل فراہم کرتا ہے۔ جینیاتی تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج پائے جانے والے چیتوں میں اتنا کم فرق پایا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں اُن کے آباؤ اجداد کی ترقی میں ایسی رکاوٹ پیش آئی ہوگی کہ اُن میں سے چند ایک ہی آپس میں نسل کشی کے ذریعے ہی زندہ رہ سکے ہوں گے۔ اِس کے برعکس دنیا کے مختلف حصوں میں گھوڑوں کو آزادانہ طور پر سدھائے جانے اور نشونما کئے جانے کی وجہ سے اِن میں بہت سے فرق پائے جاتے ہیں۔

سو جینیات، شطرنج کی بازی کی طرح ہے جس میں کسی پوزیشن تک پہنچنا مکمل طور پر تاریخی دلچسپی کی وجہ سے ہوتا ہے اور اِس کا کھیل کے انجام کا تعین کرنے میں کوئی کردار نہیں ہوتا، اور جینیات اور برج میں بہت کم مشابہت پائی جاتی ہے کیونکہ آخر الذکر میں کامیابی کا زیادہ تر انحصار کھلاڑی کی یاد رکھنے کی صلاحیت پر ہوتا ہے کہ وہ پہلے کون سے پتے کھیل چکا ہے۔ نوعِ انسانی میں پائے جانے والے واضح تضادات گروپوں کے اندر بھی پائے جاتے ہیں اور یہ تضادات انسانی ارتقاء میں مداخلت کرنے کا امکان پیدا کرتے ہیں تا کہ اِس کی رہنمائی کی جا سکے اور نئے راستے تلاش کئے جا سکیں، حتیٰ کہ اِس سلسلے میں اِس بات کو بھی اہمیت نہیں دی جاتی کہ موجودہ فرق کس طرح پیدا ہوئے۔ ہم کہاں سے آئے ہیں یہ ایک مسحور کن سوال ہے، لیکن ہم کہاں جا رہے ہیں یہ پہلے سوال سے قطعی مختلف ہے۔

تبدیلی کے نظریے پر یقین رکھنے والے بھی اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نوعِ انسانی کی کم از کم پانچ سے آٹھ نسلوں نے انتخاب کے مکمل طور پر مختلف حالات میں افریقہ سے باہر ترقی کی۔ ایسا کوئی سلسلہ (نوعِ انسانی کی) مختلف ذیلی اقسام میں اہم فرق پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔ مزید برآں اُس حیاتیاتی تنوع کی بنیاد پر مزید فرق کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے جو متعدد آبادیوں کے افریقہ چھوڑنے پر دیکھی جا سکتی تھی۔ چونکہ نسلِ انسانی کو اصل براعظم کے بجائے افریقہ میں ترقی کرنے کا نسبتاً زیادہ وقت میسر ہوا، اِسی وجہ سے دوسری نسلوں کی نسبت افریقن نسل میں زیادہ جینیاتی فرق پائے جاتے ہیں اور افریقہ سے باہر نکلنے والی مختصر آبادی میں اِس فرق کا کچھ حصہ دیکھا جا سکتا ہے۔ اِس کے علاوہ ترکِ وطن کرنے والی نسل نے افریقہ میں رہنے والی انسانی نسل اور اُس سے بھی پہلے آنے والوں کے ساتھ نسل کشی کی ہوگی۔ اِس کے مقابلے میں جانوروں کی پرورش کرنے والے چند ہی نسلوں میں اہم تبدیلیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ جدید معاشرے کی پیشہ ورانہ مہارت اور منتخب کردہ جماع کے ساتھ مل کر یہ عناصر مخلوقات کے اندر پائے جانے والے فرق کا اہم سبب بنتے ہیں۔

اگر Homo sapiens شاید 150,000 سالوں سے موجود ہیں تو مستقبل میں ہماری نسل کا قائم رہنا کافی مختصر ہو سکتا ہے۔ سو نسلِ انسانی ایک ایسی کالونی کی طرح ہے جس کی ابتداء اور بے شک انجام بھی ہے اور یہاں اِسے کسی ایک لمحے میں تمام حیات انسانوں کی

حیثیت سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ اِس کمیونٹی کے مکمل عرصۂ حیات میں مستقبل میں آنے والے انسانوں کی مجموعی تعداد کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ یوجی نکس کے حامی یہ دلیل دیتے ہیں کہ ہم پر اِن سب کے لیے اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور یہ کہ ہم نہ صرف اِس سیارے کے ماحول کا حصہ ہیں بلکہ اِس کے رکھوالے بھی ہیں۔ ماہر اسطور جوزف کیمپ بیل کے الفاظ میں ہماری حیثیت اِس کے شعور سے کم نہیں ہے۔ (۵)

مشہور ماہر جینیات جیمز وی نیل نے مغربی وینیز ویلا اور شمالی برازیل کے یانو ماما (Yano mama) کے معاشرے اور جینیاتی ساخت کا تجزیہ کیا۔ اُس نے نہایت مؤثر انداز میں یہ دلیل پیش کی کہ جس دور میں انسان ابھی گروہوں کی شکل میں رہ رہے تھے یعنی پچھلے 10,000 سال قبل، تب اُن کے معاشرے کی ساخت عام انسانی آبادیوں کی سی تھی۔ یہ چھوٹی، جدا آبادیاں تھیں جو کثیر الازدواجی اور تزویج محرمات میں ملوث تھیں اور اِس طرح مختلف اقسام کے ماحول میں فطرت کو نسلی نمائندوں کی کثیر اقسام میں سے انتخاب کی اجازت دیتی تھیں۔ ایسے حالات تیزی سے ارتقاء کے لیے مفید تھے۔ Panmixia (آبادی میں بے ترتیبی سے نسل کشی) ابھی کافی دور تھا اور حقیقت میں یہ کبھی بھی مکمل طور پر (ممکن) نہیں ہو سکتا لیکن انسانی آبادی کی ہمیشہ بڑھتی ہوئی برون زواجیت، انسانوں میں فرق کو کم کر رہی ہے اور اِس کے ساتھ ساتھ ایسی بڑی آبادیاں تخلیق کر رہی ہے جو شاید اہم جینیاتی تبدیلیوں کی جانب کم مائل ہوں۔ (۶)

تاریخ واضح طور پر یہ ظاہر کرتی ہے کہ مذہبی، لسانی یا نسلی۔۔۔ کسی بھی قسم کے تنوع کی صورت میں ہم آہنگی حاصل کرنا خاص طور مشکل ہو جاتا ہے۔ مشہور تاریخی جرائم گروہی تشدد کے واقعات تھے اور جب دو یا زائد ethnoses ایک دوسرے سے واضح طور پر مختلف ہوں تو ایسی صورتحال اور بھی دباؤ سے بھرپور ہوتی ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے ایک صدی تک واضح امتیاز قائم کرنے کے لیے غلامی کے بھیانک جرم کا خاتمہ کیا۔ اب وہ نسلی مساوات قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن بلا شبہ نسلی تنازعے کا خوف زیادہ بھی ہے اور رہے گا اور بدقسمتی سے یہ معقول بھی ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ نسل پرستی کو (الف) گروہی امتیاز اور نفرت اور (ب) گروپوں کے درمیان پائے جانے والے تضادات پر بحث قرار دے کر اِس معاملے کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ دونوں موضوعات گو کہ بالکل جدا نہیں لیکن پھر بھی ایک

دوسرے سے بے حد مختلف ہیں۔ معاشرے کے ممتاز افراد نے یہ فیصلہ کیا کہ گروپوں کے درمیانی تضادات کے تجزیے اِس قدر خطرناک تھے کہ کھلے عام اِن پر بحث کرنے کی اجازت نہ دی جاسکتی تھی۔ انہوں نے ایسی تحقیقات پر مخصوص خصوصیات کی اضافی شماریاتی فریکونسی کے بجائے گروپ کی خصوصیات کو مکمل طور پر جدا کرنے کا غلط الزام عائد کیا۔

ہم سب اِس بات پر اتفاق کرنے کے قابل ہوں گے کہ گروپوں کے تضادات ایک سائنسی نہیں بلکہ اخلاقی سوال ہیں۔ جہاں تک یوجی نکس کی دلیل کا تعلق ہے تو یہ نہایت ہی بنیادی انداز میں غیر متعلقہ ہیں۔ حتیٰ کہ اگر نسل کشی کا کوئی پسندیدہ ذریعہ چند آبادیوں کی نسبت دوسروں میں مختلف انداز میں تقسیم ہوا ہو، تب بھی گروپ کے پاس مستقبل کی نسلوں کو پیدا کرنے کے لیے قابل افراد کا گروپ موجود ہے۔ گروپوں کے درمیان موجود ایسے تضادات کے حجم سے قطع نظر، حقیقت یہ ہے کہ گروپوں کے اندر (موجود تضادات) کے سلسلے میں بھی ہمیں اپنے آپ پر زیادہ فخر نہیں کرنا چاہئے۔

OOO

ایک یقینی ٹیسٹ، ایک آسان ٹیسٹ
بیئر پینے والے بہترین ہوتے ہیں
براؤن بئیر، تیزی سے۔۔۔۔
رابرٹ گریوز، "Strong Beer"

2- آزمائش/معیار (ٹیسٹنگ)

بیسویں صدی کے آغاز میں پہلی بار شرحِ ذہانت کے ٹیسٹ (IQ testing) کے بعد امریکی فوج نے اِسے نئے لوگوں کی بھرتی اور اُن شعبوں کا تعین کرنے کے لیے بہت زیادہ استعمال کیا جن میں اِن نئے افراد کو استعمال کیا جا سکتا تھا۔ مساواتِ انسانی کے عقیدے کو ماننے والے ایک صدی قبل کی سائنس پر تنقید کرنے اور پھر اپنے نتائج کو بڑے پیمانے پر جدید سائنس پر لاگو کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ بلاشبہ آئی کیو سے متعلق ابتدائی ٹیسٹ ایسے سوالوں پر مشتمل تھے جو آج کے زمانے میں ٹیسٹ لینے والوں کو شرمندگی سے ہنسنے پر مجبور کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کیا Knight انجن پہلی بار پیکارڈ، لوزئیر، سٹیئرنز یا پائیرس ایرو میں استعمال ہوا؟ یا پھر Velvet Joe ٹوتھ پاؤڈر، خشک میوہ جات، تمباکو یا پھر صابن کے اشتہاروں میں سامنے آیا؟(۷) ایسے سوال جہاں امریکہ میں پرورش پانے والے نوجوانوں کے لیے محدود جواز رکھتے ہیں وہاں بلاشبہ یہ اُن افراد کے لیے بھی غیر مناسب تھے جو حال ہی میں امریکہ منتقل ہوئے اور بمشکل انگریزی بول سکتے ہیں۔ ایسے افراد کے ٹیسٹ بے حد خراب نتیجے ظاہر کرتے لیکن اِس سے خود بخود یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آج کے جدید ٹیسٹ جنہیں ہزاروں ماہرینِ نفسیات بے حد توجہ سے ترتیب دیتے ہیں، بھی بے حد ناقص اور مکمل طور پر غیر معتبر ہیں۔

اُمید ہے کہ بیسویں صدی میں تعلیم کے بڑے پیمانے پر پھیلنے سے نہ صرف لوگوں کو مخصوص حقائق حاصل کرنے میں مدد ملی ہو گی بلکہ اُنہیں اپنے ذہن زیادہ بہتر انداز میں استعمال کرنے میں بھی آسانی ہوئی ہو گی۔ لیکن خوف یہ ہے کہ جدید معاشرے کے فطری dysgenic fertility patterns نے ایسی آبادی تخلیق کی ہے جو اپنے سے پہلی نسلوں کی

نسبت کم پیدائشی (ذہنی) صلاحیت کی حامل ہے۔

اِس سوال کو سمجھنے کے لیے ہمیں جینو ٹائپ (موروثی) خصوصیات اور فینو ٹائپ (ظاہری) خصوصیات کے درمیان فرق کو واضح کرنا ہو گا۔ جینو ٹائپ، جینیاتی امکان ہوتا ہے اور فینو ٹائپ حقیقی امکان۔ مثال کے طور پر اعداد و شمار، دنیا کے زیادہ تر حصوں میں اوسط لمبائی میں مسلسل اضافہ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک اِس کی وجہ جینین میں تبدیلی کے بجائے بہتر غذا (اور غالباً گوشت میں ہارمونز کی آمیزش ہے) لیکن جینو ٹائپ کی چند حدود ہیں۔ اگر بونوں کے کسی گروپ کو بہترین غذا اور مسائی (Massai) قبائلیوں کو ناقص غذا دی جائے تو ظاہر ہے کہ بونوں کے قد میں اضافہ اور مسائی افراد کے قد میں کمی واقع ہو گی لیکن بونے، مسائی افراد سے لمبے نہ ہو سکیں گے اور اُن کے بچوں میں لمارکزم (نامیاتی ارتقائی نظریہ) منتقل نہ ہو گا۔

جیسا کہ ماہرِ نفسیات ایڈون بورنگ نے ایک مرتبہ کالم نگار والٹر لپ مین سے بحث کے دوران طنز کیا: "آئی کیو وہی ہوتا ہے جس کی پیمائش آئی کیو ٹیسٹ کرتا ہے"۔ یہ لازمی نہیں کہ یہ اصل ذہانت ہی ہو۔ انسان کو ایک تصوراتی متغیرہ (variable) اور اُس کی عملی تعریف میں تفریق کرنے کے قابل ہونا چاہئے۔

عام الفاظ میں آئی کیو، فینو ٹائپ کی ایک ممکنہ پیمائش ہے۔ جینو ٹائپ پر مبنی آئی کیو کے چند اندازے۔۔۔فی نسل ایک سے چار پوائنٹس تک کے ہیں (۸) لیکن نیوزی لینڈ کے سیاسی سائنسدان جیمز۔ آر۔ فلن نے ایک مؤثر تحقیق پیش کی ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ حقیقت میں آئی کیو سکورز بتدریج بڑھتے جا رہے ہیں۔ Stanford-Binet اور Wechsler جیسے ٹیسٹ باقاعدگی سے مضامین کی پیمائش کر کے نئے اوسط سکورز اور معیاری انحراف (standard deviations) قائم کرتے ہیں۔ 1932 سے 1978 تک ٹیسٹ لینے والوں نے از سرِ نو بتدریج معیار تبدیل کئے اور ہر دفعہ معیار بڑھاتے گئے۔ جب معیاروں کو ایک سا رکھا گیا تو اوسط آئی کیو 13.8 پوائنٹس تک بڑھا۔۔۔یعنی چھیالیس برس کے عرصے میں تقریباً ایک معیاری انحراف (standard deviations) زیادہ۔(۹)

یہ امکانی طور پر نہایت حوصلہ افزا نتیجہ ہے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آئی کیو کے فرق کو جتنا اثر پذیر سمجھا جاتا تھا یہ اُس سے کہیں بڑھ کر تھے اور یہ کہ مساواتِ انسانی کا آئیڈیل

جو کہ یوجی نکس تحریک کا مرکز تھا، پہلے کی نسبت زیادہ قابلِ عمل تھا۔ دوسری جانب ہم اب بھی محض جینوٹائپ کی جانب سے فینوٹائپ پر عائد کی جانے والی حدود کا اندازہ ہی کر سکتے ہیں۔ اگر فلن کی بات درست ہے تو بظاہر یہ ہوا ہے کہ فینوٹائپ کی بہتری پر جینوٹائپ کی خرابی حاوی ہوگئی ہے۔ SAT-I کا مقصد رجحان (ذہانت) کو ٹیسٹ کرنا ہوتا ہے جبکہ SAT-II مخصوص مضامین کے بارے میں معلومات کو ٹیسٹ کرتا ہے۔ SAT-I دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے یعنی SAT-V (زبانی-verbal) اور SAT-M (ریاضی)۔ فلن مزید یہ کہتا ہے کہ اوپر دیے گئے ٹیسٹوں میں اچھے نتائج کے ساتھ SAT کے زبانی سکورز میں متضاد رجحان سامنے آیا۔

کوچنگ کے ذریعے SAT کے سکورز میں اضافہ کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بہتری قانون تقلیلِ حاصل (Law of diminishing returns) پر عمل کرتا ہے۔ چالیس گھنٹے کی کوچنگ سے ریاضیاتی سکور میں تقریباً تیس اور زبانی ٹیسٹ میں قریباً بیس پوائنٹس کا اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر آپ گھنٹوں کی تعداد میں چھ گنا اضافہ کر دیں تو سکورز میں پچاس فیصد بھی مسلسل بہتری نہیں آتی۔ (۱۰)

عام طور پر ٹیسٹنگ کو عوام کی بھرپور حمایت حاصل رہی ہے۔ 1979 میں گیلپ تنظیم نے امریکیوں کے نمائندہ نمونے سے معیاری ٹیسٹوں (standard tests) کے بارے میں رائے لی۔ اَسّی فیصد نے جواب دیا کہ یہ "بے حد مفید" یا "کسی حد تک مفید" تھے۔ (۱۱) اِس کے ساتھ ساتھ نیشنل ایجوکیشن ایسوسی ایشن، نیشنل ایسوسی ایشن فار کلرڈ پیپل اور رالف نیڈر کے طاقتور اتحاد نے اس کی بھرپور مخالفت کی۔ اِس اتحادی گروپ کے حکومت اور پریس میں کئی طاقتور حمایتی تھے۔ مثال کے طور پر ڈین راتھر نے 1975 کے CBS نیوز سپیشل The IQ Myth میں دعویٰ کیا کہ یہ آئی کیو ٹیسٹ نہ صرف بے کار بلکہ متعصب بھی تھے کیونکہ "یہ معاشی طبقہ ہی تھا جو آئی کیو سکورز کو اصل میں تقسیم کرتا تھا"۔ (۱۲) لیکن اِس اتحادی گروپ کو اُس ایک گروپ کی حمایت حاصل نہ تھی جو دوسرے کئی معاملات میں اِس کے ساتھ تھا۔ یہودی تقریباً ہمیشہ اِس ٹیسٹ میں اچھے نتائج حاصل کرتے تھے سو یہ بات حیران کن نہیں کہ امریکن جیوش کمیٹی، اینٹی ڈی فی میشن لیگ اور امریکن جیوش کانگریس۔۔۔سب نے سپریم کورٹ میں Affirmative Action پروگراموں کے خلاف تعاون کے لیے دستاویزات جمع کروائیں۔ (۱۳)

اے خدا، مجھے میرا انجام جاننے دے
اور میرے دنوں کا شمار
تا کہ میں جان سکوں کہ میں کتنا کمزور ہوں

(Psalm XXXIV, 4)

3- ''جی'' لوڈنگ

کیا عمومی ذہانت (general intelligence) ("g") نامی کوئی چیز وجود رکھتی ہے یا پھر ہر فرد غیر متعلقہ صلاحیتوں کے بارے میں مختلف معلومات۔۔۔یعنی کئی ذہانتیں رکھتا ہے؟"ایک ذہانت " کے بارے میں کوئی بھی سائنسی بحث بے حد سیاسی اہمیت کی حامل ہوتی ہے کیونکہ اِسے کسی شخص کی مجموعی اہمیت یا مقام کے طور پر بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔

بیسویں صدی میں چارلس سپئیر مین سے لے کر عمومی ذہانت کے حامی مکانی، عددی اور زبانی صلاحیتوں کے درمیان مثبت ارتباط (correlation) کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ آئی کیو سکور بنیادی طور پر 'g' کا عددی اظہار ہوتا ہے۔ دوسری جانب بے وقوف عالموں کے وجود سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔۔۔یعنی ایسے افراد جنہیں روزمرہ کے مسائل حل کرنے میں بھی مشکل پیش آتی ہے لیکن وہ جانے پہچانے موسیقار یا مجسمہ ساز ہوتے ہیں یا پھر وہ کیلکولیٹر کی طرح نمبروں کو جمع کر سکتے ہیں یا وہ اٹھارویں صدی کے کسی بھی منتخب کردہ دن کے لیے موسم کے حالات کی درست تفصیل بیان کر سکتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں اُن کی ایک مخصوص صلاحیت اور دوسری صلاحیتوں کے درمیان منفی ارتباط ہوتا ہے۔ اور ہمیں اپنے آپ کو غیر معمولی افراد تک محدود نہیں کرنا چاہئے۔ جب طالب علموں کے ایک گروپ کو ذہانت کے عالمی معیاروں کے بجائے ذہانت کے معیاری ٹیسٹ دیے گئے تو اُن میں سے آدھے سے زیادہ مخصوص صلاحیت میں پہلے 10 فیصد سکور حاصل کرنے والوں میں سے تھے (۱۴) تو پھر مختلف صلاحیتوں کا آپس میں موازنہ یا اُن کی اہمیت کا اندازہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ g-loadings کی اہمیت کو ضرورت سے زیادہ بڑھا

چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے یا نتیجہ اِس کے برعکس ہے۔

ذہن جو محدود طبعی جگہ گھیرتا ہے اُس کو سامنے رکھتے ہوئے چند خاص صلاحیتوں کی غیر معمولی نشوونما چند دوسری صلاحیتوں کو قربان کر کے ہو سکتی ہے۔ یہ سوال کئی لحاظ سے اُس کہاوتی گلاس کی طرح ہے جو یا تو آدھا خالی یا پھر آدھا بھرا ہوتا ہے۔ اِس سب کا انحصار مشاہدہ کرنے والے کے نقطہ ٔ نظر پر ہوتا ہے۔

OOO

زوال کی جانب جانا حماقت ہے
اور شرمناک (شئے) کو قبر تک لے جانا۔۔۔
(سر ولیم جونز)
"An ode: An Imitation to Alcaeus"

4-ذہنی صلاحیت میں کمی

ہم اُن نسلوں کی فلاح کا خیال کس طرح رکھ سکتے ہیں جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئیں؟ یہ ایسی دنیا میں بے حد مشکل ہے جہاں بچوں کو عام سی شئے سمجھا جاتا ہے۔اُس نام نہاد "آبادیاتی تبدیلی" جس میں ترقی پذیر ممالک کے لوگ کم بچے پیدا کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں، کا ماہرینِ معاشیات اور ماہرینِ آبادیات نے ہر طرح کے خطوط، گرافوں اور چارٹوں کے ذریعے تجزیہ کیا ہے اور یہ سب ایک بچے پر خرچ ہونے والی رقم کو گاڑیوں، ٹیلی وژنوں اور آپ کے پاس موجود دوسری اشیاء کی ایکس (X) تعداد کے برابر قرار دیتے ہیں۔

تمام لوگوں کے جین اکٹھے کر کے ایسی نوجوان لڑکیوں کو منتخب کرنے کے کیا نتائج مرتب ہوں گے جو تعلیم اور نوکریوں کو جاری رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہوں اور اِس طرح اُن کی زرخیزی (fertility) کم ہو جاتی ہے(امریکی جوڑوں میں بیس فیصد، مؤخر زرخیزی کا نتیجہ زرخیزی کے منسوخ ہونے کی صورت میں نکلتا ہے) جبکہ کم صلاحیت کی حامل نوجوان لڑکیوں کو اُن کی بچے پیدا کرنے کی صلاحیت کی بنیاد پر معاوضہ دیا جائے اور اُن کے خود سے درخواست کرنے پر بھی انہیں اسقاطِ حمل کی اجازت نہ دی جائے؟

چونکہ جن ممالک میں ترقی یافتہ فلاحی پروگراموں پر عمل کیا جاتا ہے وہاں لڑکیاں حاملہ ہونے پر اپنے تعلیمی پروگرام پر عمل نہ کر سکنے کی صورت میں سکول چھوڑنے کا فیصلہ کر سکتی ہیں، 2001 کے آغاز میں کی جانے والی تحقیق مکمل طور پر یہ ظاہر کرتی ہے کہ 55,000 ڈالر سالانہ کمانے والی امریکی خواتین کا ایک تہائی حصہ، چالیس سال کی عمر میں بے اولاد ہوتا ہے اور اِس بات کا امکان ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کسی بچے کو پیدا کئے بغیر ہی گزاریں گی۔(۱۵)

گو کہ "ٹوٹل فرٹیلٹی ریٹس" (TFR - کسی عورت کے اپنی زندگی میں پیدا کرنے والے بچوں کی تعداد)، زرخیزی کی خصوصیات کا تجزیہ کرنے میں اہم معیار کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن نسلی فرق (generational length) کا بھی اہم کردار ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کوئی عورت جتنی جلدی بچے پیدا کرے گی، اُس کے بچوں کی تعداد بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ دو ایسے گروپوں کو فرض کریں جن میں سے ایک میں خواتین بیس سال اور دوسرے میں تیس سال کی عمر میں بچے پیدا کرنے شروع کرتی ہیں۔ اگر TFR ایک سے بھی ہوں تب بھی پہلا گروپ دوسرے کی نسبت پچاس فیصد زیادہ بچے پیدا کرے گا۔ مثال کے طور پر New York Longitudinal Study of Youth میں ذہانت کے لحاظ سے نیچے سے پانچ فیصد خواتین کی پہلی اولاد، شروع کی پانچ فیصد خواتین کی نسبت سات سال جلد پیدا ہوتی ہے۔ (۱۶)

یوجی نکس تحریک کی دلیل کی حیثیت سے اسقاطِ حمل اِس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ یہ بالخصوص اُس صورت میں انتخاب کو متاثر کرتا ہے جبکہ یہ سہولت زیادہ آئی کیو سکورز کے حامل افراد کو فوری طور پر میسر ہو جو بآسانی اِس کی استطاعت رکھتے ہوں جبکہ کم آئی کیو کے حامل اُن افراد کو اسکی اجازت نہ ہو اور جو صرف کم ریٹس یا پھر یہ سہولت مفت میسر ہونے کی صورت میں اِس کا استعمال کر سکیں۔ اسقاطِ حمل کی شرح کا تعلق، تعلیم پر صرف کئے جانے والے سالوں سے ہوتا ہے جسے آئی کیو کے ناقص متبادل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ 1979 میں تعلیم کے لحاظ سے بیس سال اور اُس سے زائد عمر کی اُن خواتین جو ہائی سکول سے تعلیم حاصل کر چکی تھیں، کے درمیان معیاری امریکی شرحِ اسقاطِ حمل 44.3 تھی جبکہ آٹھ سال سے کم عرصہ سکول میں تعلیم حاصل کرنے والی خواتین کے درمیان یہ شرح محض 3.2 تھی۔ (۱۷)

فتورِ نسلی (dysgenic) کا دوسرا اہم عنصر جنگ ہے۔ جو مخلوق اپنے آپ کو خدا کے سانچے میں ڈھلی مانتی ہے اُس نے اِس بہتر ٹیکنالوجی کو نہ صرف اپنے ماحول بلکہ اپنے آپ کو بھی بہت شدید نقصان پہنچانے کے لیے استعمال کیا ہے۔ اور وراثت (کے ذریعے خصوصیات کے منتقل ہونے) پر یقین رکھنے والوں کے بجائے عقیدۂ مساواتِ نسلِ انسانی کے حامی، قتل اور جلاوطنی کے بارے میں زود حس ہوتے ہیں چاہے وہ روس، چین یا کمبوڈیا میں ہو۔ اُن کی دلیل میں اُداس کر دینے والا استحکام ہے یعنی اگر تمام انسان ایک جیسے ہیں تو ہمارے دور میں مثالی جنت حاصل کرنے

میں مداخلت کرنے والے شخص کو نئی نسل کے آنے پر تبدیل اور ختم کیا جا سکتا ہے۔

فطری انتخاب کے لیے جنگ کے ایک تباہ کن طریقہ کار ہونے کا موضوع اُس وقت بار بار زیرِ بحث آیا جب یورپ کے نوجوان، گروپوں کی صورت میں پہلی جنگِ عظیم میں خندقوں میں مرنے کے لیے مارچ کر رہے تھے۔ کیونکہ آخر یہی مخصوص تنازعہ تھا جس کے نتیجے میں آئی کیو ٹیسٹ کو ایسے نوجوانوں کا انتخاب کرنے کے لیے متعارف کروایا گیا جو بارود کی خوراک بننے کے لیے زیادہ موزوں تھے۔

پُر تشدد سول تنازعوں کے واقعات میں بھی اصل اور ممکنہ اپوزیشن پر سب سے زیادہ طاقت آزمائی کی جاتی ہے۔ چونکہ تعریف کے لحاظ سے اپوزیشن فکری اور نظریاتی طور پر وقف ہوتا ہے سو عموماً تباہی کا ہدف وہ افراد بنتے ہیں جو باصلاحیت ہوں۔ تاریخ نواز نتھانیل ویل نے سب سے پہلے "aristocide" کے مظہر کو متعارف کروایا۔ (۱۸) شماریاتی تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا کوئی عمل اوسط آبادیاتی آئی کیو کو نسبتاً اعتدال سے لیکن غیر معمولی زیادہ سکورز کے حامل افراد کی تعداد کو تباہ کن انداز میں کم کرتا ہے۔ (۱۹)

غیر معمولی (صلاحیت کے حامل) افراد کے ثقافت، سائنس اور زندگی کی عمومی کوالٹی میں کردار، اُن کی تعداد کے مقابلے میں غیر متناسب ہے۔۔۔ ذرا سوچئے کہ عظیم دھن بنانے والے چند افراد (کمپوزرز)۔۔۔ یعنی باخ، بیتھووِن، موزارٹ، براہمز، سٹراونسکی، مینڈلسن۔۔۔ کے بغیر موسیقی کی تاریخ کیا ہوتی۔ اِسی طرح ماہرینِ طبیعیات، ریاضی دانوں اور فلسفیوں کی ایسی ہی "مختصر فہرست" بنائی جا سکتی ہے۔ اِن غیر معمولی قابلیت کے حامل افراد کو نکال کر اگلی نسل کی اوسط قابلیت کا لیول قابلِ فہم طور پر تبدیل نہ ہوگا لیکن ہماری دنیا کتنی کنگال ہو جائے گی! ایسے کسی عمل کے نتائج واضح طور پر پریشان کن ہیں۔ نسبتاً مستحکم آئی کیو کے ساتھ بھی ایک ایسا معاشرہ جس میں شعوری قیادت پُر معنی انداز میں کم ہو جائے۔۔۔ کم از کم اپنی اصل حالت کے مقابلے میں مفلس معاشرہ ہوتا ہے۔ اِس سے یہ سبق حاصل ہونا چاہئے کہ یہ لازمی نہیں کہ معاشرتی انقلاب کے ہنگامے اور حجم کا اُس کے جینیاتی اثرات سے کوئی تعلق ہو۔

5-جینیاتی بیماریاں

حیاتیاتی ذخیرے میں عدم تغیری (immutability) نامی کوئی شئے نہیں ہوتی کیونکہ ہر مخلوق ایک نئی نسل کے ساتھ تبدیلی (mutation) کی صورت میں نئی جین ورثے میں پاتی ہے۔ بہت کم صورتحال میں کوئی تبدیلی کسی فرد کے زندہ رہنے کے امکانات میں بہتری پیدا کرتی ہے اور پھر نئی جین بحیثیتِ مجموعی آبادی میں تیزی سے پھیل جاتی ہے۔ اِس کے باوجود اکثر تبدیلیاں نئے پیدا ہونے والوں کی تعداد میں کمی کرتی ہیں۔ یہ تبدیلی اور موت کا وہ کلاسیک (شاندار) توازن ہے جسے "فطری انتخاب" کہا جاتا ہے اور ماہرینِ حیاتیات اِسے تمام مخلوقات کے لیے فیصلہ کن قرار دیتے ہیں۔

اِس کتاب کا مقصد چند ایسے بڑے فلسفیانہ سوالوں کو پیش کرنا ہے جو انسانی تہذیب کی اقدار اور مقاصد کے علاوہ اُس راستے سے تعلق رکھتے ہیں جو نسلِ انسانی، مصنوعی انتخاب کو آگے بڑھانے یا اُس کو ترک کرنے کے لیے شعوری طور پر اختیار کرے گی۔ اِس کا مقصد انسانی جینیاتی بیماری کی پیچیدگیوں پر بحث کرنا نہیں ہے۔ مثال دینے کے لیے اِس کا موازنہ گاڑی کی مرمت کے لیے بنائے گئے دستی کتاب (مینوئل) کے بجائے روڈ میپ سے کیا جا سکتا ہے لیکن پھر بھی چند بنیادی نکات کا ذکر کیا جانا ضروری ہے۔

ہم نے ادویات (طب) کے شعبے میں اتنی ترقی کی ہے کہ فطری انتخاب تقریباً معدوم ہو گیا ہے۔ ابھی سے ہی اٹھانوے فیصد امریکی کم از کم اپنی پچیسویں سالگرہ تک زندہ رہتے ہیں۔(۲۰) ادویات کا بنیادی مقصد اُن کو تخلیق کرنے والوں۔۔۔یعنی حال میں زندہ رہنے والوں کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے۔ سو اگر ہم بیماری کی بات کرتے ہیں تو ہمارا اصرار

vertically transmitted کے بجائے "horizontally transmitted" وبائی امراض پر ہوتا ہے (کیونکہ) بہرحال کسی ڈاکٹر، ادویہ ساز کمپنی یا ہسپتال کے لیے اُن لوگوں سے فیس اکٹھا کرنا بے حد مشکل ہے جنہیں ابھی پیدا ہونا ہے۔ ادویات کے شعبے کا انحصار ادائیگی کرنے والے خریداروں پر ہوتا ہے اور سب سے زیادہ مجبور خریدار وہی ہوتے ہیں جو آج تکلیف میں ہیں اور وہ نہ صرف یہ کہ ادائیگی کر سکتے ہیں بلکہ اِس کے لیے بیتاب بھی ہوتے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جامع انداز میں 3500 ایسے خود لونی (autosomal) غالب، خود لونی راجع (autosomal recissive) اور جنسی لونیاتی امراض سے متعلق نمایاں خصوصیات بیان کرتا ہے جنہیں پہلے ہی ترتیب دیا (کیٹیلاگ کیا) جا چکا ہے (یہ فہرست تیزی سے طوالت پکڑتی جا رہی ہے):

> وبائی (امراض سے متعلق) سروے یہ تجویز کرتے ہیں کہ تمام نوزائیدہ بچوں میں سے تقریباً ایک فیصد کے ایک جین میں نقص پایا جاتا ہے اور یہ کہ 0.5 فیصد میں مجموعی لونی اجسام (chromosomal) سے متعلق ایسی شدید بے قاعدگیاں پائی جاتی ہیں جو پیچیدہ جسمانی نقائص اور ذہنی معذوریاں پیدا کر سکتی ہیں۔ سروے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیدائشی بیماریوں کا شکار تین سے چار فیصد نوزائیدہ بچوں میں سے کم از کم آدھے جینیاتی لحاظ سے اہم مدد کے امیدوار ٹھہرتے ہیں؟ کامیاب ہونے والے حمل میں سے کم از کم پانچ فیصد میں لونی اجسام سے متعلق اہم نقائص پائے جاتے ہیں اور فطری طور پر ہونے والے اسقاطِ حمل میں سے چالیس سے پچاس فیصد کا سبب، لونی لحاظ سے ابنارمل جنین (embryo) ہوتا ہے۔ تمام نوزائیدہ اموات میں سے چالیس فیصد جینیاتی بیماری، تیس فیصد بچوں میں پائی جانے والی بیماریوں اور دس فیصد اِس وجہ سے ہوتی ہیں کہ بالغ افراد کو جینیاتی امراض کے سبب ہسپتال میں داخل کرائے جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ میڈیکل معاملات کی تفتیش کرنے والوں کے اندازے کے مطابق۔۔۔بے حد کم

> ہونے کے باوجود۔۔۔تقریباً دس فیصد بالغوں میں جینیاتی امراض
> پائے جاتے ہیں۔۔۔مردہ پیدا ہونے والے بچوں اور نوزائیدہ بچوں
> میں ہونے والی اموات میں سے بیس فیصد کا تعلق پیچیدہ امراض سے
> ہوتا ہے اور تمام پیدا ہونے والے بچوں میں سے قریباً 7 فیصد میں کسی
> طرح کا ذہنی یا جسمانی نقص پایا جاتا ہے۔(۲۱)

یہ مزید خوفناک ہوتا جاتا ہے۔فطری تبدیلی کی شرح، جینیاتی "ٹائپوز" کی شرح کا اندازہ دوسو میں سے ایک ہے،(۲۲) جن میں سے اکثر نیوٹرل محسوس ہوتے ہیں لیکن اِن کی نامعلوم شرح فیصد کو جب ظاہر کیا جائے تو وہ قابلِ اعتراض ہوتے ہیں کیونکہ اُن کے اثرات اجتماعی ہوتے ہیں۔اُن جینیاتی نقائص کے علاوہ کہ جو کوئی مخصوص بیماری کا سبب بننے کے لیے لازمی اور کافی ہوتے ہیں، کئی ایسی کثیر العناصر بیماریاں ہیں جن میں مخصوص جین کسی خاص بیماری کا محرک بن جاتی ہیں مثال کے طور پر کئی کینسرز، ذیابیطس اور بلند فشارِ خون (hypertension)۔

ابتدائی ماہرینِ یوجی نکس اِس سادہ خیال پر یقین رکھتے تھے کہ ہر نئی نسل کے ساتھ زیادہ صحت مند آبادی پیدا کرنے کے لیے جینیاتی بیماریوں کے شکار افراد کو بچے پیدا کرنے سے روکنا کافی ہے۔لیکن بیماریوں کا سبب بننے والی زیادہ تر جین راجع (recessive) بھی ہوتی ہیں اور بے حد غیر معمولی بھی۔سو عوامل کی تعداد، حقیقت میں متاثر ہونے والے افراد سے کہیں زیادہ ہے اور بے حد بیمار افراد کی non reproduction، بعد میں آنے والی نسلوں میں بہت کم کمی کر سکتی ہے۔اِس کے معنی یہ ہیں کہ اگر آبادی کے ایک فیصد حصے میں کوئی ناپسندیدہ صفت پائی جاتی ہے تو اِس کو 0.01 فیصد تک لے جانے کے لیے 90 نسلیں اور ملین میں ایک کے لیول تک (۲۳) لے جانے کے لیے رینڈم میٹنگ کے تحت 900 نسلیں درکار ہوں گی۔اِس کے باوجود بھی ایک فطری تبدیلی کی شرح قائم رہے گی اور اُس کا لامتناہی طور پر مقابلہ کرنا ہوگا۔

جینیاتی انجینئرنگ کی تکنیکیں تیزی سے ترقی پا رہی ہیں۔ابھی سے جینیاتی بیماریوں کے حامل افراد کے لیے در زجاجی (in vitro) طریقے سے حاملہ ہونا، پھر جنین کی سکریننگ (embryo screening) کرنا جسے قبل از تنصیب جینیاتی تشخیص (preimplantation

genetic diagnosis) کہا جاتا ہے، کروانا اور ماں کے رحم میں صحت مند جنین کی تنصیب کا انتخاب کرنا ممکن ہے۔یہ ایک یوجی نکس تکنیک ہے جس کا ابھی سے اختیاری اور تدریجی بنیاد پر نفاذ کیا جا رہا ہے۔مستقبل قریب میں نہ صرف غیر تناسلی خلیوں (جن کا افزائشِ نو سے تعلق نہیں ہوتا) بلکہ جرمی خلیوں (جو افزائشِ نو کا سبب بنتے ہیں) میں تبدیلی بھی ممکن ہو سکے گی۔جرمی علاج / تھراپی، مثبت یا منفی یوجی نکس کا حصہ نہیں ہے۔یہ دونوں کسی فرد کی نسلوں کے تسلسل میں شامل ہونے کے لیے حوصلہ افزائی یا حوصلہ شکنی کرتی ہیں لیکن ایسی تھراپی بلا شبہ یوجی نکس ہیں۔جب یہ امکان پہلی بار سامنے آیا تو عمومی رویہ مکمل طور پر ملامت آمیز تھا۔اب اِس نئی تھراپی کی خصوصی مہلت کے نقطۂ نظر سے بات کرنے کا رجحان ہے۔برسلز کی فری یونیورسٹی کے ماہرِ حیاتی اخلاقیات فرز مین لکھتے ہیں:

> مذہبی بنیادوں کے علاوہ، جرمی سلسلے کو متاثر کرنے کا کوئی اخلاقی جواز
> نہیں ہے۔اگر اِس طرح کسی دن کسی موروثی بیماری کا علاج دریافت
> ہو جائے جو کہ نہ صرف اُس بیماری سے متاثرہ شخص بلکہ اُس کی تمام
> نسلوں کے لیے فائدہ مند ہو تو اُس کی ممانعت کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی
> ہے؟(۲۴)

ایسی کوئی کامیابی جینیاتی دریافت کی نمائندگی کرے گی لیکن ابھی جین اور اُن کے باہمی تفاعل کے پزل (Puzzle) کے حل کا محض آغاز ہی ہوا ہے۔اِس کے باوجود ماہرینِ جینیات، نباتات اور حیوانات کے جرمی سلسلوں میں تبدیلی کرنے کا آغاز کر رہے ہیں اور انسانوں کے ساتھ اِسی عمل کے دہرائے جانے میں اب کچھ ہی عرصہ باقی ہے۔اِس دوران جینیاتی مشاورت اور علاج ضرورت پڑنے پر ایسے افراد کی مدد کر رہے ہیں جو مستقبل کی نسلوں کی قربانی کے عوض آج زندہ ہیں۔ایسے متوقع والدین جو یہ جانتے ہیں کہ وہ کسی ایسے راجع (recissive) جین کے حامل ہیں جو آئندہ نسلوں میں مرض پیدا کرنے کی وجہ بن سکتے ہیں، منتخب طور پر ایسے بچے گرا سکتے ہیں جن میں یہ جین سرگرم ہوں۔غرضیکہ (اُن کے) ملاپ سے پیدا ہونے والی اگلی نسل اِس بیماری سے آزاد ہے لیکن ایسی راجع جین کے حامل افراد کی تعداد کسی نسلی سلسلے کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا والدین کو اِس دنیا میں ایسے بچے لانے کا اخلاقی حق حاصل ہے جو اپنے ورثے کے لحاظ سے (کسی طرح) محروم ہوں۔ فلسفی ایمانویل لیوائنس کے بقول:

"میرا بیٹا، کسی نظم یا کسی شئے کی طرح صرف میری تخلیق نہیں ہے۔ وہ میری ملکیت نہیں ہے"۔(۲۵)

کیا والدین کی ذمہ داری کو نظر انداز یا اُس کی تردید کی جا سکتی ہے؟ لندن یونیورسٹی میں انسٹیٹیوٹ آف چائلڈ ہیلتھ کے پروفیسر مارکس پیمبرے، جینیاتی مشاورت پر بحث کرتے ہوئے دلیل دیتے ہیں کہ:

مقصد یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ نئے پیدا ہونے والے بچوں میں جینیاتی بیماریاں پائے جانے کے واقعات کم کئے جائیں کیونکہ (جینیاتی) خدمات کا یہ مقصد بنانے کے معنی اسقاطِ حمل کے معاملے میں ماں کے انتخاب کو جان بوجھ کر نظر انداز کرنا ہے۔۔۔ نئے پیدا ہونے والے بچوں میں جینیاتی بیماریاں پائے جانے کے واقعات میں کمی، جینیاتی خدمات کے لیے موزوں مقصد نہیں ہے۔۔۔ اِس خیال کو وسیع پیمانے پر حمایت حاصل ہو چکی ہے۔(۲۶)

جینیاتی مشاورت میں "ذاتی سروس ماڈل" یہی ہے جو کہ بچوں کی بھلائی کو والدین سے کم درجہ دیتا ہے(۲۷) اور شاید غیر منصفانہ زندگی (wrongful life) پر مبنی عدالتی مقدمات (جو کہ پہلی بار 1964 میں امریکہ میں سامنے آئے او رغیر منصفانہ موت (wrongful deaths) کے عدالتی مقدمات کے قانونی مثال ہونے کا دعویٰ کرتے تھے) یا کلاس ایکشن بنیاد پر بآسانی چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ گو کہ پہلے ہمارے پاس جینیاتی بیماریوں کو کم کرنے کے علم کی کمی تھی، لیکن مستقبل میں لاعلمی کی یہ دلیل آہستہ آہستہ غیر معتبر ہوتی جائے گی۔ والدین کی تسلی کے غیر فطری رویے کا موازنہ 1957-1961 کے Thalidomide baby scandal سے نہ کیا جا سکے گا، کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہوگا جو مکمل علم اور ارادے کے ساتھ کیا گیا ہو۔

جرمی سلسلے میں مداخلت کو ایسے افراد کی جانب سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا جن کو مذہبی بنیاد پر یہ محسوس ہو کہ ایسی تھراپی "غیر فطری" ہوتی ہے اور یہ کہ ہمیں "خدا بننے" کا

کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ مثال کے طور پر چند مذہبی گروپ رواجی نگہداشت کی بھی مخالفت کرتے ہیں اور اکثر اخباروں کے ایسے مضامین ہماری نظر سے گزرتے ہیں جن میں کسی ایسے خاندان کا ذکر ہوتا ہے جن میں کوئی بچہ طبی سہولیات فراہم نہ کئے جانے کی وجہ سے فوت ہو جاتا ہے۔ ایسے افراد کی جانب سے بھی غیر مذہبی اعتراضات کئے جائیں گے جو غلطیاں کرنے سے محتاط رہتے ہیں۔ درحقیقت غلطیاں ایک حقیقی امکان ہیں۔ جب ہمیں انسانی جینیات کی بہتر فہم حاصل ہو گی تو ایسے غیر مذہبی اعتراضات کرنے والے افراد کے دلائل میں جان نہ رہے گی۔

جینیاتی مشاورت میں اسرائیل پیشرو رہا ہے۔ بین گورین یونیورسٹی کے ایک محقق کے الفاظ میں "آج (اسرائیل میں) یوجی نکس سوچ زندہ اور موافق ہے"۔(۲۸) یروشلم کی حداثہ۔ ہیبر یو(Hadassah-Hebrew) یونیورسٹی میڈیکل سنٹر کے جینیات کے شعبے کے سربراہ Gideon Bach نے ایک مرتبہ تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

اب ہم جانتے ہیں کہ تمام نہ سہی لیکن زیادہ تر انسانی امراض، جینیاتی پس منظر سے تعلق رکھتے ہیں اور ہم ایسے ہتھیار (ٹولز) حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو اِن (امراض) کا تجزیہ، علاج اور بالآخر اُن سے بچنے اور صحت یاب کرنے میں مددگار ثابت ہو سکیں۔۔۔ متعدد نسلی گروہوں پر مشتمل اسرائیل، جینیاتی معلومات حاصل کرنے والوں کے لیے بے حد مفید انسانی لیبارٹری ثابت ہوا ہے۔ ہم جنس/ہم نوع/ہم نسل حسب نسب رکھنے والے نسلی گروہوں میں جینیاتی بے قاعدگیوں کا پتہ لگانا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔(۲۹)

اشکنازی، آج سے چالیس سال قبل تک بہت زیادہ ازدواجِ باہمی پر عمل کرتے تھے، اُن میں کئی ایک ایسے راجع (recissive) جینیاتی امراض پائے جاتے ہیں جن میں سے مشہور آٹو سومی مرض ہے جسے 1881 میں برطانوی آپتھلمولوجسٹ وارّن ٹے کی جانب سے وضاحت کے بعد Tay-Sachs کا نام دیا گیا۔ اِس کا سبب موروثی لحاظ سے ایک ایسے اہم انزائم کی کمی ہے جو دماغ میں پائے جانے والے چربیلے/روغنی/فربہ کن فضلات کو الگ کرتا ہے۔ اگر دونوں والدین ایسے جین کے حامل ہوں تو بچے میں اِس بیماری سے متاثر ہونے کے

بچیس فیصد اور اِس جنین کا حامل ہونے کے پچاس فیصد امکانات ہوتے ہیں۔ امریکہ میں ستائیس میں سے ایک یہودی ایسی جینز کے حامل ہوتے ہیں۔ اِس بیماری سے متاثرہ بچہ ابتداء میں نارمل نظر آتا ہے لیکن چندمہینوں میں آواز سے حساس ہوجاتا ہے۔ پھر آخر میں بچہ بہرا، اندھا، ذہنی طور پر معذور اور بیرونی محرکات سے بے حس ہو جاتا ہے۔ پانچ سال کی عمر تک (ایسے بچوں کا) انتقال ہوجاتا ہے۔

1985 میں ربی جوزف ایکسٹائن نے بائبل اور تالمود کا حوالہ دیتے ہوئے انٹرنیشنل جینیٹک ٹیسٹنگ پروگرام کا آغاز کیا جسے Dor yashorim ("نیکو کاروں کی نسل") کا نام دیا گیا۔ اِس کا مقصد مزید بچوں کی بیماری کے ساتھ پیدائش کو روکنا تھا۔ اِس پروگرام میں راسخ العقیدہ یہودی طلباء کا ٹیسٹ کیا گیا تاکہ اِس بات کا تعین کیا جاسکے کہ اُن میں جین موجود ہیں۔ اگر متوقع والدین میں سے ایک ایسے جین کا حامل ہوتا تو اُن کو شادی کرنے سے روکا جاتا لیکن اگر دونوں کا ٹیسٹ مثبت ہوتا تو انہیں شادی کے لیے دوسرا ساتھی تلاش کرنے کا مشورہ دیا جاتا۔

دنیا کے سب سے زیادہ سکریننگ ریٹس میں سے ایک اسرائیل کا ہے اور وہاں سال میں دس ہزار سے زائد افراد کا ٹیسٹ کیا جاتا ہے۔(۳۰) یہ Tay-Sach سے بچنے کے لیے عمومی یہودی رویہ معلوم ہوتا ہے جس کے بارے میں مصنفہ نائومی سٹون کہتی ہے:

> شاید اُن آبادیوں سے یہ مرض مکمل طور پر ختم کیا جا سکتا ہے جہاں اِسکی شدت زیادہ ہے اور ایسا ہو تو کسی کو کیا شک ہوسکتا ہے؟۔۔۔میں اشکنازی یہودی ہوں، میں جانتی ہوں کہ بیماری کے بڑھتے ہوئے خطرے کے عنصر (heightened risk factor) کے بارے میں صحیح طرح جاننا میری ذمہ داری ہے۔(۳۱)

قابلِ فہم طور پر امریکہ میں یوجی نکس مشقوں (practices) کی معذور کمیونٹی میں اکثر مخالفت کی جاتی ہے۔ حیاتی اخلاقیات کی ماہر ایڈرین آسک لکھتی ہیں:

> قبل از وقت پیدائش اور منتخبہ اسقاطِ حمل کے لیے میری اخلاقی مخالفت کا سبب یہ یقین ہے کہ کسی معذوری کے ساتھ گزاری جانے والی زندگی اہم ہوتی ہے اور یہ کہ ایک منصفانہ معاشرے کو تمام انسانوں کی

> زندگیوں کی قدر اور نشونما کرنی چاہئے، چاہے انہیں فطری لاٹری سے جیسے بھی انعامات ملے ہوں۔(۳۲)

کینیڈین ماہرِ اخلاقیات ٹام کوچ کا بھی یہی نظریہ ہے، اُس کا ماننا ہے کہ تمام بیماریاں نسلِ انسانی کے تنوع کا حصہ ہیں۔(۳۳)

معذور افراد کی یوجی نکس کے خلاف تحریک کے سرگرم ارکان میں کینیڈین ہیلن ہینڈرسن ایک اور نام ہے۔ وہ اِس میں مزید اضافہ کرتی ہے:

> میں بلاجھجک یہ کہہ سکتی ہوں کہ میری زندگی اس لیے قیمتی ہے کہ مجھے مضاعتِ تصلب (multiple sclerosis) ہے۔ معذوریوں کا تجربہ نہ رکھنے والا کوئی شخص اِس بات کو کیسے سمجھ سکتا ہے؟ (۳۴)

تیسرا کینیڈین شخص گریگور وولبرنگ ہے جو ایسی ویب سائٹ چلاتا ہے جس پر یوجی نکس تحریک کی حمایت اور مخالفت دونوں سے متعلق مواد موجود ہے۔(۳۵) وہ کہتا ہے کہ وہ خود بھی یوجی نکس کا مخالف ہے۔ انٹرنیٹ پر شائع کئے گئے ایک اور مضمون کے مطابق:

> یوجی نکس میں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ مبینہ یا غیر مبینہ اقدار کی بنیاد پر کوئی اِس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ کونسی خصوصیات معاشرے کا حصہ ہیں اور کونسی نہیں (امتیاز)۔۔۔۔۔اہم سوال یہ ہے کہ کس طرح معاشرہ (معاشرتی یوجی نکس) یا شخص (شخصی یوجی نکس) یہ فیصلہ کرتا ہے کہ کسی بچے/بچوں میں کونسی خصوصیات قابلِ قبول ہوتی ہیں۔ کیا معاشرہ، معاشرتی / شخصی یوجی نکس کے فیصلوں کو متاثر یا پابند کرسکتا ہے؟ کیا Tay-Sachs، بیٹا تھیلی سیمیا، سکّل سیل انیمیا، تھیلیڈو مائیڈ، انزائمنر، پینل کیٹونوریا (PKU)، صنف، جنسی میلان (اگر اِس کا پتہ لگانے کا کوئی طریقہ کبھی دریافت ہو سکے) ذہنی بیماری، انبانی کیفیت (cystic fibrosis)، دماغی فالج، سپائنا بفڈ، ایکنڈ وپلیسیا (کوتاہ قدمی)، ہیموفیلیا، ڈاؤن سنڈروم، coronary heart disease اوسٹیو پوروسس اور موٹاپے کے درمیان تفریق کا کوئی عقلی طریقہ ہے؟

خصوصیات کی جنگ جاری ہے جوانسانی حقوق کی تحریک اور مساوی
حقوق سے کئی خصوصیات کو الگ کر دے گی۔ اِسے رُکنا ہوگا۔(۳۶)

گو کہ اِس نامعلوم مصنف نے واقعی مخصوص خصوصیات۔۔۔جیسے جنسی میلان، کوتاہ قدمی اور موٹاپے۔۔۔کے بارے میں مشکل سوالات اٹھائے ہیں لیکن چند خوفناک امراض کا دفاع بدحواس کر دیتا ہے، باوجود اِس کے کہ یہ اُن افراد کے ساتھ امتیاز کے خوف سے جنم لیتا ہے جو اِن امراض کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اِن امراض کے شکار افراد کے بجائے اِن امراض سے امتیاز کریں۔

OOO

6-سائنسی طریقہ

جنسی عمل کی رہنمائی کے لیے کی جانے والی کسی کوشش کے لیے یہ لازمی ہے کہ معاشرہ پہلے موروثی رسم و رواج، فوبیاز، جذباتی خرابیوں اور فیشن (fetishes) کے شیطانی کاموں کو ختم کرے جنہیں انسانی افزائشِ نو کے گرد کھڑا کر دیا گیا ہے۔(۳۷) بالعموم تمام حیاتیاتی عالموں (biological kingdoms) اور بالخصوص ممالیہ۔۔۔جن میں آپس میں قریبی تعلق رکھنے والے اونچے درجے کے حیواناتِ رئیسہ بھی شامل ہیں۔۔۔میں سے انسان نامی حیوان کے بنیادی تسلسل کو مدِنظر رکھتے ہوئے، ارتقائی اور سالماتی انقلاب حیوانی نشونما کے اصولوں کے مطابق انسانی افزائشِ نو کی تشکیلِ تصور کے ذریعے شعوری ماحول کو نئی شکل دے رہا ہے۔

جینیاتی انتخاب، جینیاتی فرق کو پہلے سے فرض کر لیتا ہے وگرنہ انتخاب کرنے کو کچھ باقی نہ رہے۔ ورثے میں پائے جانے کی صلاحیت وہ پیمانہ ہے جس کے ذریعے فطری اور مصنوعی انتخاب کی پیمائش کی جاتی ہے۔ یہ صلاحیت وہ ریاضیاتی مطابقتیں (correlations) ہیں جن کا سکور ایک(1) (والدین کی خصوصیات ہر صورت بچوں کو ورثے میں ملے گی) سے صفر(0) (بچوں میں ہر صلاحیت منتقل کرنے کے امکانات نہیں ہیں) کے درمیان ہوتا ہے۔

معاشی خصوصیات کے ورثے میں منتقلی کا فارم کے جانوروں پر بغور تجزیہ کیا گیا ہے۔ مثلاً دودھ کی پیداوار 0.25، بھیڑوں کا ایک سال کا وزن 0.2- 0.59- کے درمیان، گوشت والے جانوروں کے سٹاک ایریا میں رکھے جانے کے بعد وزن میں اضافہ 0.5-.55 کے درمیان ہے۔(۳۸) سفید فارم یورپیوں اور شمالی امریکی آبادیوں میں ورثے

میں قد کی لمبائی پانے کا سکور 0.9 ہے۔(۳۹) دونوں تجزیوں سے حاصل ہونے والے اعدادوشمار کے مطابق تھامس بوکارڈ اور منیسوٹا یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے اُس کے دوسرے ساتھیوں نے مکمل شخصیت ورثے میں پانے کا سکور 0.5 طے کیا ہے۔ معاشرتی رویوں کے لیے یہ سکورز اور بھی زیادہ ہیں۔ انتہا پسندی کے لیے 0.65، حقیقت پسندی کے لیے 0.54 اور فارغ اوقات میں مذہبی دلچسپیوں کے لیے 0.59۔ پیشہ ورانہ دلچسپیوں کا باہمی ارتباط تقریباً 0.36 ہے۔(۴۰)

مونوزائیگوٹک (identical) اور ڈائی زائیگوٹک (fraternal) جڑواں بچوں کے ایک تجزیے کے مطابق ڈائی زائیگوٹک بچے زیادہ صاف گو، پھرتیلے، باتونی، ملنسار، چست/بروں بیں، بااعتماد، پرسکون، خوداعتماد، معتدل مزاج، جذباتی طور پر مستحکم، ہمدرد، شائستہ، دل پسند، مکمل (ماہر)، نفیس، منظّم، ایماندار، اختراعی صلاحیت کے حامل، پُرتخیل، تازہ خیالات کے اہل، تخلیقی ذہن کے مالک، مشاہدہ کرنے کے لیے تیار، مہذب اور لچکدار ہوتے ہیں۔ ماڈل فٹ تجزیوں نے چالیس فیصد جینیاتی، پچیس فیصد ماحولیاتی اور پینتیس فیصد غیر مشترکہ ماحولیاتی اثر ثابت کیا ہے۔(۴۱)

گو کہ کسی خصوصیت یا خصوصیات کے امتزاج کے ورثے میں منتقل ہونے کی اِسی سکیل پر پیائش کی جا سکتی ہے لیکن ذہانت کے تنازعے (intelligence controversy) کو سب سے زیادہ زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ انسانوں میں آئی کیو ورثے میں منتقل ہونے کے کم سے کم اندازے 0.4 کے قریب جبکہ زیادہ سے زیادہ 0.8 کے قریب ہیں۔

فطرت کو نشوونما/پرورش/تعلیم وتربیت سے کس طرح الگ کیا جائے؟ ایک ہی شخص جب ایک ہی ٹیسٹ کو دوسری بار دیتا ہے تو دونوں ٹیسٹوں کے درمیانی ارتباط کا حوالہ بنایا جا سکتا ہے، یہ 0.86 ہوتا ہے۔(۴۲) ممتاز انگریز ماہرِ نفسیات سیرل برٹ نے ایسے متماثل توامی بچوں کا پتہ لگایا جن کی پرورش الگ الگ کی گئی تھی۔ اُس نے 1966 میں متماثل توامی بچوں کے 53 جوڑوں پر کیئے جانے والے تجزیے کے درمیان آئی کیو کی مطابقت/باہمی ارتباط کی شرح 0.77 رپورٹ کی۔ 1971 میں برٹ کی وفات کے بعد اُس پر غلط اعدادوشمار پیش کرنے کا الزام لگایا گیا تو یہ مفروضہ سکینڈل اہم خبروں میں شامل رہا۔ بہرحال اب اِس موضوع پر

خاصی تحقیق کی گئی ہے اور برٹ ہی کے پیش کردہ نتائج بار بار سامنے آئے ہیں۔ اِن میں بوچارڈ کی 8000 جڑواں بچوں کے جوڑوں پر تحقیق بھی شامل ہے اور اِس تحقیق کے نتیجے میں جن جوڑوں کی اکٹھے پرورش کی گئی اُن کا باہمی ارتباط 0.76 جبکہ الگ الگ پرورش کئے جانے والے جڑواں بچوں کے جوڑوں کے لیے 0.87 ہے۔(۴۳) منیسوٹا یونیوسٹی ہی کے سینڈرا سکار اور رچرڈ اے وائن برگ نے متبنّی بچوں پر ایک تحقیق کی جس کے مطابق ایسے بچوں کے آئی کیو سکورز زیادہ تر اپنے تبنیتی والدین کے بجائے اپنے حیاتیاتی (بائیولوجیکل) والدین سے مثبت طور پر متاثر تھے۔(۴۴)

فطری انتخاب کا انحصار نہ صرف حیاتیاتی بلکہ ماحولیاتی تبدیلی پر بھی ہوتا ہے۔ اِن دونوں اقسام کی تبدیلیوں کی حدود، جتنی زیادہ وسیع ہوں اُسی قدر انتخاب میں شدت آتی ہے۔۔۔یعنی ارتقاء اتنی ہی تیزی سے ہوتا ہے۔ آج سے تقریباً ہزار سال قبل سے ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کو جانے بغیر انسان بہت کامیابی سے نباتات اور حیوانات میں مصنوعی انتخاب کو جاری رکھے ہوئے ہیں جس کے لیے اُس نے موزوں جانوروں یا چیزوں کے ذریعے نسل کشی کی ہے اور "like breeds like" کے اصول کو مدِنظر رکھا ہے۔ حیوانوں کی نسل کشی کرانے والے آج بھی اِس اہم طریقے پر عمل کرتے ہیں۔ لیکن جب کم تبدیلی یا ورثے میں اپنی خصوصیات منتقل کرنے کی صلاحیت کم ہو اور یہ انتخاب کے آڑے آئے تو ایسے میں جدید جینیاتی طریقے اختیار کئے جاتے ہیں یعنی منجمد نطفہ، نرینہ اور غیر نرینہ اولاد پیدا کرنے والے نطفے کو جدا کرنا، فوق تبویض (super ovulation)، تذخیرِ جنین (emryo storage) اور جنین کی منتقلی، درز جاج زرخیز کاری (in vitro fertilization) اور جینیاتی مواد کی منتقلی۔

مصنوعی تخم ریزی خواتین کی نسبت مردوں میں یوجی نکس اقدام کو مؤثر بناتی ہے۔ مثلاً از روئے نظریہ جدید تکنیکوں کے ذریعے ایک بیل ایک سال میں نسل کشی کے لیے نطفوں کے 200,000 یونٹ پیدا کر سکتا ہے۔(۴۵) ایک بیل کی پہلے ہی 2.3 ملین grand daughters ہوتی ہیں۔(۴۶) اِس کے علاوہ نطفوں کو طویل المعیادی تذخیر اور بعد ازاں استعمال کے لیے منجمد کیا جا سکتا ہے۔

اگر منفعت بخش معیار کے نطفوں کی کوئی کمی نہیں ہے تو بیضے کے بارے میں بھی یہی

کہا جا سکتا ہے۔ انسانی ماداؤں میں پیدا ہونے والے بیضوں کی ایک چھوٹی سی شرح ہی زرخیز بنتی ہیں۔ درز جاج زرخیز کاری (in vitro fertilization) کے نتیجے میں بیضوں کو اصل ماں کے بجائے کسی اور کے رحم میں داخل کرنے سے عددی رکاوٹ پیدا کئے بغیر آبادی کے معیار میں انقلاب ممکن ہوسکتا ہے۔

کلوننگ اِس سے بھی جدید ایک تکنیک ہے۔ اِس عمل کے دوران بے جنسی (asexual) طریقے سے حیاتیاتی جاندار کی ویسی ہی جینیاتی کاپی پیدا کی جاتی ہے۔ فطرت میں کلوننگ عام ہے۔ کوئی بھی ایسا پودا کسی چھوٹے سے کٹے حصے سے پھر سے پیدا ہوسکتا ہو یا کوئی حیوانی ٹشو جو کسی بطری قاب (Petri dish) میں خود سے پیدا ہوسکتا ہو۔۔۔ اِس عمل کے دوران کلونز پیدا کرتا ہے۔

لیبارٹری میں کی جانے والی کلوننگ ("نیوکلئیر ٹرانسفر") میں کسی فردِ واحد / حیوان کے جینیاتی کوڈ کو ایسے بیضے میں داخل کیا جاتا ہے جس سے اُس کا نیوکلیس جدا کر دیا گیا ہو۔ پھر اِس بیضے کو اُس "ماں" کے رحم میں داخل کیا جاتا ہے جو بچہ پیدا کرنا چاہتی ہو۔ یہ بالکل درز جاج زرخیز کاری (in vitro fertilization) کی طرح ہے۔ پیدا ہونے والا بچہ اُس انسان کا متماثل توام (identical twin) ہوتا ہے جس سے جینیاتی کوڈ لیا گیا ہو۔ حیوانوں کے پہلے کلونز 1950 کے اواخر میں پیدا کئے گئے۔ 1993 میں امریکی محققین نے بانجھ پن کے ممکنہ علاج کے لیے تجرباتی طور پر انسان کو کلون کرنے کی کوشش کی لیکن اِس تجربے نے تنقید کا طوفان کھڑا کر دیا۔ "ڈولی" نامی بھیڑ کی کلوننگ 1996 تک نہ ہوئی تھی۔ گھوڑے، کتے، خرگوش، گائیں، بکریاں، ہرن، سور، بلیاں، چوہے اور موش ایسے ممالیہ ہیں جن کے کلون سائنسدان پہلے ہی پیدا کر چکے ہیں۔

کلوننگ پر ہونے والی موجودہ بحث کا مرکز شفائی کلوننگ ہے۔ مثلاً مستقبل میں کسی ایسے شخص کے خلیوں کو کلون کرنا ممکن ہو سکے گا جو عارضۂ قلب میں مبتلا ہو۔ اِن متبادل خلیوں کی دل کے عضلات کی شکل میں افزائش کئے جانے کے بعد انہیں رَد کئے جانے کے کسی خوف کے بغیر اُسی مریض میں منتقل کر دیا جائے گا۔

اصل مسئلہ بہرحال بازتخلیقی (reproductive) کلوننگ کا ہے۔۔۔ یعنی ایسے بچے

پیدا کرنا جو تسلیم کئے جانے کے بعد آزاد فرد کی حیثیت سے عام آبادی میں شامل ہو جائیں گے۔ دو وجوہات کی بنا پر اِس طرح کی کلوننگ کو جاری رکھا جا سکتا ہے: اوّل: بانجھ پن کا مقابلہ کرنے کے ہتھیار کی حیثیت سے، دوم: انسانی جینیاتی ذخیرے کو زرخیز کرنے کے لیے۔ یہاں میں موخر الذکر کو "یوجی نک کلوننگ" کہوں گا۔ کلون کئے جانے والے بیضے جنہیں درز جاج زرخیز کاری کے ذریعے پیدا کیا گیا ہو۔۔۔ انسانی، حیوانی، حتیٰ کہ مصنوعی رحم میں رکھے جا سکتے ہیں۔ (۴۷) جارج ڈبلیو بش کے بائیو اتھکس کونسل کے چیف لیون کاس لکھتے ہیں:

"ہم سب واضح طور پر یہ دیکھ سکتے ہیں کہ ٹرین کہاں جا رہی ہے اور ہمیں اِس کی منزل پسند نہیں ہے"۔

حیران کن طور پر کاس ایک باعمل کنزرویٹو یہودی ہے اور وہ لاش کی چیر پھاڑ، اعضاء کی منتقلی، درز جاج زرخیز کاری، کاسمیٹک سرجری اور جنسی آزادی کے خلاف ہے۔ کاس کے خیالات پر تبصرہ کرتے ہوئے Reason میگزین کے اہم ایڈیٹر نے کہا کہ:

"یہ بیسویں صدی کے بارے میں نہیں ہے۔ یہ سولہویں صدی کے بارے میں ہے"۔ (۴۸)

کلوننگ پر زیادہ تر تنقید ایک بنیادی غلط فہمی کی بنا پر ہے۔۔۔ یعنی اِس کے پیچھے ایک سی ایسی مخلوق کی نسل کو بڑھانے کا ارادہ پایا جاتا ہے جن میں کسی قسم کی انفرادیت نہ پائی جاتی ہو۔ ایسا قطعی نہیں ہے اور کبھی بھی ایسے کسی عمل کی حمایت نہیں کی گئی۔ بلکہ اِس کے برعکس کلوننگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے شخص سے یہ امید رکھی جاتی ہے کہ وہ روایتی جنسی طریقے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی وسیع آبادی کے ساتھ نارمل جنسی رشتوں میں شامل ہوگا اور روایتی انداز میں اپنی نسل کو آگے بڑھائے گا۔ اِس طرح آئندہ نسلوں میں کارآمد جین کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔

جن کامیابیوں کی تشہیر کی گئی ہے اُن کے برعکس کئی مشکلات کا خاتمہ ابھی باقی ہے اور ناکامی کی شرح بھی ابھی زیادہ ہے۔ مثلاً کلون کئے گئے حیوانات میں ابنارمل / غیر معمولی جفت جنین (placentas) پائے جاتے ہیں۔۔۔ یہ عنصر سائز اور بقا پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مسئلے کا کچھ حصہ جین کی علامات (gene expression) میں پائی جانے والی بے قاعدگیوں سے

تعلق رکھتا ہے۔

کلوننگ کی زیادہ تر مخالفت مذہبی گروپوں کی جانب سے کی جاتی ہے لیکن یہ مخالفت محض اُن ہی کی جانب سے نہیں ہے۔ اِس مکمل طور پر جائز خوف کے ساتھ کہ ابھی ہمیں اتنی معلومات حاصل نہیں ہیں کہ ہم فوری طور پر کلوننگ کا آغاز کر سکیں، کلوننگ کے خلاف مزاحمت حیران کن طور پر بذاتِ خود (نظریۂ) ارتقاء کے خلاف روایتی دلیل کی یاد دلاتی ہے۔۔۔۔یعنی یہ کہ "یہ انسان کی عزت پر حملہ ہے"۔ جنوری 2002 میں واشنگٹن ٹائمز میں صدر جارج ڈبلیو بش کے نام چھپنے والے کھلے خط کا یہی متن اور سرخی تھی۔ اِس پر اُنتیس کنزرویٹو سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کے دستخط تھے۔(۴۹)

میڈیا نے کلوننگ کے خلاف زبردست تحریک کا آغاز کیا۔ ہمارے پاس آئرا لیون کے 1976 کے ناول The Boys from Brazil جسے 1978 میں فلمی شکل دی گئی اور جیمز میسن اِس کے نمایاں اداکار تھے اور حال میں Star Wars Part II: Attack of the Clones کی صورت میں مثالیں موجود ہیں۔ اِس بارے میں بھی باتیں گھڑی گئیں کہ آیا انسانی کلوننگ پیٹنٹ پذیر ہوگی یا نہیں۔ نیویارک ٹائمز مکمل طور پر درست ہے۔ وہ لکھتا ہے:

" کانگریس میں انسانی کلوننگ کی سب ہی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی کانگریسی خفیہ طور پر اِس عمل کے بارے میں نرم گوشہ رکھتا بھی ہو تو اُس کے کھلے عام اِس کا اظہار کرنے کے امکانات صفر ہیں۔(۵۰)

2001 میں ایوان نمائندگان نے کلوننگ کی تمام اقسام پر پابندی لگانے کے حق میں ووٹ دیا لیکن سینیٹ نے اِس کی مکمل مخالفت کی۔ سو کانگریس نے افزائشِ نسل کے لیے کی جانے والی کلوننگ کو غیر قانونی قرار دینے کا فیصلہ کیا گو کہ اِس معاملے میں کانگریس کے اتفاقِ رائے پر سائنسی اور علمی حلقوں کے افراد راضی ہیں۔

وال سٹریٹ جرنل کے مطابق:

"چند سیاست دان کہتے تھے کہ اُن کا یہ ماننا ہے کہ اقوامِ متحدہ میں امریکہ کا (اپنی بات پر) قائم رہنے کا بنیادی مقصد مذہبی کنزرویٹو اور اسقاطِ حمل کے مخالف سرگرم افراد کے سامنے داخلی سیاست میں نمبر بنانا

ہے"۔(۵۱)

لیکن ایسے طریقہ کار محض امریکہ تک ہی محدود نہیں ہیں۔ 6 نومبر 2003 کو 79-80 ووٹوں اور پندرہ ووٹ نہ دینے والوں کے ساتھ اقوامِ متحدہ نے بمشکل اُس ووٹ کو مؤخر کرنے کا فیصلہ کیا جس کے مطابق شفائی اور افزائشِ نسل کے مقاصد کے لیے کی جانے والی کلوننگ کو غیر قانونی قرار دیا جاتا اور جس کو امریکہ اور ویٹی کن دونوں کی حمایت حاصل تھی۔ چند دوسرے ممالک نے بیلجیم کی اُس تجویز کی حمایت کی جس میں افزائشِ نسل کی خاطر کی جانے والی کلوننگ پر پابندی جبکہ شفائی مقاصد کے لیے کلوننگ کی اجازت دینے کو کہا گیا تھا۔

حیوانوں کی افزائشِ نسل کے طریقے عام طور پر چند بے حد مخصوص خصوصیات کی بنیاد پر ایک خاص قسم کو پیدا کرنے سے متعلق ہوتے ہیں۔ نباتات کے انتخاب میں بھی یہی اصول لاگو ہوتا ہے جس میں عام طور پر مختلف اقسام کے مخصوص پودوں کو چند یک جنسی نباتات سے تبدیل کیا جاتا ہے۔ اِس طرح کا کوئی بھی عمل انسانوں کے لیے موزوں نہ ہوگا۔ یوجی نکس کے حمایتیوں کے مطابق انسانی انتخاب کا مقصد جینیاتی تنوع کو نہ صرف مضبوطی، بلکہ ہم کیا ہیں اور کیا بننا چاہتے ہیں۔۔۔کی اہم بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ دوسری جانب اِس تغیر پذیری میں خاص تخفیف، ایک ریاضیاتی ہدف ہے۔ یوجی نکس کے حمایتی دلیل دیتے ہیں کہ ماں بننے/مادریت کے سلسلے میں اہم رہنمائی کرنا اور مردوں کے انتخاب میں نسبتاً سختی اختیار کرنے کے بعد کئی بلین افراد پھر بھی افزائشِ نسل میں مصروف ہوں گے۔ بطورِ موازنہ ریس میں دوڑنے والے تمام اصیل گھوڑے، تین وسطی مشرقی (نسل کشی کے لیے رکھے جانے والے) گھوڑوں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور فطری انتخاب اور بھی سخت ثابت ہوسکتا ہے۔

OOO

ہمارے پاس مرغیوں کے پیٹ ہیں
تا کہ ہم جنگ کا انجام بتا سکیں
ہمارے پاس غلام ہیں
تا کہ وہ خاموش رہ سکیں
ہمارے پاس پتھر ہیں
تا کہ ہم تعمیر کر سکیں
تو پھر ہم دیوتاؤں کو تکلیف کیوں دیتے ہیں؟

Osip Mandelstam "Nature is the same Rome...."

7-انسانی لونی مادے (کروموسوم) کا خاکہ بنانا (میپنگ)

جینیات ایک جدید علم ہے۔ 1850 کے اواخر تک نظریۂ ارتقاء آگے بڑھا تھا۔ 1866 میں ایک آسٹریلوی راہب گریگر مینڈل نے اُس وقت تخلیق کے رازوں سے پردہ اٹھانے کی کوشش کا آغاز کیا جب اُس نے garden pen کی منضبط زیرہ پوشی (controlled pollination) کے نتائج شائع کیے۔ لیکن اُس صدی کے اختتام تک اُس کی دریافتوں کو نظر انداز کیا جاتا رہا اور گالٹن کو اُن کے بارے میں کبھی معلوم نہ ہو سکا۔

یہاں تک کہ 1875 تک زیرہ پوشی کے اِس طریقہ کار کے بارے میں دریافت نہ کیا جا سکا جس کے مطابق یہ نر اور مادہ جنسی خلیوں کے نیوکلیس کا ملاپ تھا۔ 1888 میں خلیوں کے نیوکلیس میں بے حد رنگدار اجسام کی دریافت دیکھی گئی جنہیں " کروموسوم (لونیے)" کا نام دیا گیا اور 1909 میں مینڈل کے دریافت کردہ وراثت کے عناصر کو "جین" کا نام دیا گیا۔ 1934 تک پہلی بار رودزجاج زرخیز کاری (in vitro fertilization) (خرگوش کے علاوہ بندر پر) ممکن نہ ہو سکی تھی اور جہاں تک ڈی این اے کی دہری پیچ دار (double helical) ساخت کا تعلق ہے تو اُس کی دریافت ابھی 1953 میں ہی ہو سکی۔ یہ سب کچھ اتنا نیا ہے گو کہ یوجی نکس کے ابتدائی حمایتیوں نے اپنے مقاصد اور طریقے وضع کر لیے ہیں لیکن وہ اِن میں شامل طریقہ ہائے کار سے بہت حد تک لاعلم تھے۔

انسانی لونی مادے کی میپنگ ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں ہی ہے۔ جو ہم نہیں

جانتے وہ اُس سے کہیں زیادہ ہے جو ہم جانتے ہیں۔ قریباً تین بلین ایسے bases یا کیمیائی حروف ہیں جو اُن نیوکلوٹائیڈ سلسلوں کی تشکیل کرتے ہیں جو بیس ہزار سے پچیس ہزار جین بناتے ہیں اور یہ جین براہِ راست پروٹینز کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں۔ لیکن ان جین اور پروٹین کا باہمی تفاعل کس طرح ممکن ہوتا ہے اِسکے بارے میں ابھی بھی بے حد کم معلومات حاصل ہوسکی ہیں۔(۵۲)

لیکن پروٹین کو تشکیل کرنے والے یہ جین، انسانی لونی مادے کے محض دو فیصد حصے پر مشتمل ہیں۔ بقیہ ڈی این اے سلسلوں کے کردار ابھی بھی پوشیدہ ہیں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ اِن میں سے چند میں ایسے سوئچ موجود ہوتے ہیں جو جینز کو آن اور آف کرتے ہیں اور ہم یہ جان چکے ہیں کہ کروموسومز کے سروں پر telomeres پائے جاتے ہیں جس کی کمی عمر بڑھنے کے عمل سے تعلق رکھتی محسوس ہوتی ہے۔

اِس کے علاوہ غیر تفاعلی لونی پیرا سائٹ بھی پائے جاتے ہیں جن کا ہمارے جسم میں واحد مقصد اپنی نقل پیدا کرنا لگتا ہے۔ 48-40 فیصد تک ایسے سلسلے ہیں جو بار بار دہرائے گئے ہیں۔ لونی مادے کی ترتیب کے تعین کے بعد بھی ہمیں اِس بات کو معلوم کرنا ہوگا کہ اِن حقائق کا expression سے کیا تعلق ہے۔

یہ سلسلے محض کسی ایسی بڑی مشین کے حصوں کی فہرست کی مانند ہیں جس کی مکمل شکل سامنے آنے کا ابھی آغاز ہی ہوا ہے۔ علمی حلقوں میں انسانی معاشرے میں جین کے کردار سے آگاہی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔ 1998 میں میساچوسٹس یونیورسٹی کی سیاسی سائنسدان (Political Scientists) ڈیانا پال نے لکھا ہے کہ:

> محض چودہ سال قبل اُس نے اِس نظریے کو 'وراثت' یا 'بائیولوجیکل جبریت' کا نام دیا تھا جس کے مطابق ذہنیت اور مزاج میں فرق حقیقت میں جینز کی وجہ سے ہوتا ہے۔۔۔ اور یہ اصطلاحات یوں استعمال کیں کہ جیسے ان کے معنی غیر مشکوک ہوں۔ آج اِس (قسم کی اصطلاحات کے) استعمال پر یقینی طور پر اختلاف ہو سکتے ہیں کیونکہ اِس طرح کے لیبل سے ضمنی طور پر جو نظریہ بدنام ہوتا ہے اُسے سائنسدان اور عوام

> وسیع پیمانے پر تسلیم کرتے ہیں۔(۵۳)

اصل بات یہ ہے کہ ہم ہر روز بے شمار علم حاصل کرتے ہیں اور یہ کہ مستقبل قریب میں ہم بے حد یقین کے ساتھ اُس جینیاتی بوجھ (genetic load) کی پیشین گوئی کر سکیں گے جو ہم آئندہ نسلوں کو منتقل کر رہے ہیں۔

OOO

کیونکہ کچھ ہم جانتے ہیں، کچھ کی ہم پیشگوئی کرتے ہیں

I Corinithians, xiii, 9

باب چہارم

نظریہ

1-لازمی شرائط

یوجی نکس کے حامی (اس) تحریک کو ماحولیاتی پالیسی کا اہم حصہ مانتے ہیں۔اُن کی دلیل یہ ہے کہ ہم مستقبل بعید کی پیشگوئی نہیں کر سکتے، لیکن ہم کسی حد تک اُن مخصوص شرائط کا اندازہ کر سکتے ہیں جو ہمیشہ لازمی یا کم از کم پسندیدہ/مناسب رہیں گی۔

- فطری وسائل کی فراہمی
- صاف ستھرا، حیاتیاتی لحاظ سے متنوع (biodiverse) ماحول
- اِس سیارے جتنی انسانی آبادی جو آرام سے غیر معینہ مدت تک زندہ/ قائم رہ سکتی ہو
- ایسی آبادی جو صحت مند، انسان دوست اور ذہین ہو۔

ہم صنعتی ترقی کے جن انعامات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں وہ بہت حد تک ہمیشہ قائم رہنے والے نہیں ہیں۔ہم بہت منظّم انداز میں اس سیارے کے وسائل کو ختم کر رہے ہیں۔وسیع پیمانے پر بات کرتے ہوئے یہ بحثیں بے حد معمولی معلوم ہوتی ہیں کہ کون سے وسائل کب تک قائم رہیں گے کیونکہ بالآخر ہم زمین کی قابلِ رسائی زیریں سطح (subsoil) کو الگ کر چکے ہوں گے۔طویل مدت کے لیے ہم صرف انہی وسائل پر انحصار کر سکتے ہیں جو واقعی قابلِ تجدید (renewable) یا ناقابلِ ختم (inexhaustible) ہیں۔جہاں تک دوسرے سیاروں کی جانب نقل مکانی سے متعلق سائنس فکشن کہانیوں کا تعلق ہے تو یہ "دنیا کو بیکار سمجھ کر ترک

کرنے" کی تباہی کئی بلین افراد کے لیے نامناسب ہے۔

بلاشبہ یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ وسائل کے خاتمے کا ناگزیر ہونا اِسے ایک غیر اہم موضوع (non-topic) بناتا ہے۔ اِس بات سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ایسا جلد ہو یا بدیر؟ یوجی نکس کے ماہرین اِس سلسلے میں جو جواب دیتے ہیں اُس کی نوعیت اخلاقی ہے۔ ہم نے محض دو صدیاں قبل اِس صنعتی انقلاب کے سفر کا آغاز کیا اور اگر ہم اِس بات سے بچنا چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد اُس شکار کر کے اکٹھا کرنے والی معیشت کی جانب نہ لوٹے جس میں شکار کرنے یا اکٹھا کرنے کے لیے کم ہی بچے گا، تو ہمیں ایک بڑی تبدیلی لانی ہوگی۔ اِس تبدیلی میں سے حتی الامکان احتیاط کے ساتھ گزرنے کے لیے ہمیں اپنے قیمتی اور محدود وسائل کا کفایت اور سوجھ بوجھ سے استعمال کرنا ہوگا۔

روایتی معاشرے فطرت کے ساتھ ہم آہنگ رہتے ہیں جبکہ جدید صنعتی معاشرے میں واضح طور پر ایسا نہیں ہے اور ہم پہلے ہی فطرت کی خود کو صحت مند بنانے کی صلاحیت کو کچل چکے ہیں۔ مختلف قسم کے جانداروں کی متعدد اقسام سرے سے غائب ہو چکی ہیں جبکہ کئی ایسی بھی ہیں جنہیں حضرتِ انسان نے مختلف ماحول میں منتقل کر دیا ہے جہاں فطری دشمنوں کی کمی کی وجہ سے انہوں نے انسان کی طرح اپنی تباہی کو دہرانے کی مثال پر عمل کیا ہے۔ گلوبلائزیشن سے اِس سیارے کے حیاتیاتی تنوع (bio-diversity) کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ جہاں تک آلودگی کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ اتنا بڑھ چکا ہے کہ اخبارات میں اِس کے بارے میں پڑھنے سے بھی تکلیف ہوتی ہے لیکن ابھی بھی اِس صورتحال کو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

اور پھر ایسے آبادیاتی مسائل ہیں جو نسبتاً مختصر عرصے میں اِس سیارے کو تباہ کر سکتے ہیں۔ روایتی معاشروں میں بچے سماجی تحفظ کی واحد صورت ہونے کے سبب اپنے والدین کے لیے معاشی بہتری کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جتنے زیادہ، اتنے ہی اچھے۔ دوسری جانب معاشی لحاظ سے ترقی یافتہ معاشروں میں بچے قطعی طور پر ایک معاشی ذمہ داری ہوتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ خرچ (جو کہ کئی افراد کے لیے زندگی کا حتمی مقصد ہوتا ہے) کا بہترین طریقہ، بچوں کی تعداد میں کمی ہے۔

2003 میں مشرقی ایشیا میں ٹوٹل فرٹیلیٹی ریٹ (TFR) استبدال / تبدیلی

(below replacement) سے نیچے 1.7 تھا۔ یہاں تک کہ جاپان اور تائیوان میں نیشنل ٹی ایف آر 1.3 تک کم ہو چکا ہے۔ یورپ میں یہ شرح 1.4، کینیڈا اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بالترتیب 1.5 اور 2 تک گر چکی ہے۔ اُس کے برعکس لاطینی امریکہ میں یہ شرح 2.7 جبکہ افریقہ میں 5.2 ہے۔ عالمی ٹی ایف آر 2.8 ہے اور اِس سیارے کی آبادی میں پچھلے 250 سالوں میں چھ گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ ابھی بھی اِس میں بہت تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے گو کہ اِس اضافے کی رفتار پہلے کی نسبت کم ہے۔

آبادی میں سب سے زیادہ اضافہ غریب ترین ممالک میں ہو رہا ہے۔ گو کہ اِس بات کی امید کی جاتی ہے کہ تمام دنیا بالآخر اِس آبادیاتی تبدیلی سے گزر جائے گی لیکن یہ بات ممکن ہے کہ ایسا ہونے سے پہلے ہر ملک انفرادی طور پر خوفناک مالتھوسی ناکامی سے دوچار ہو۔ مثال کے طور پر تقریباً ریاست وسکانسن جتنے زمینی رقبے کے حامل بنگلہ دیش کی آبادی 134 ملین ہے۔ اِس ملک کا زیادہ تر حصہ سیلابی مٹی کے علاقوں پر مشتمل ہے جو اکثر طوفانی گرد بادوں کی وجہ سے تباہی کا شکار رہتے ہیں۔

2050 تک اِس ملک کی آبادی 255 ملین تک ہو جانے کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ اِس عرصے میں فلسطینیوں کی آبادی میں 3.3 گنا اضافے کا امکان ہے اور یہ ایسی زمین پر ہو گا جہاں پہلے ہی پانی کی شدید قلت ہے۔ اسی عرصے میں انڈیا کی آبادی تمام یورپ کی آبادی جتنی بڑھ سکتی ہے۔(۵۴)

آبادی سے متعلق یہ اندازے مکمل طور پر درستی کے دعووں کے ساتھ نہیں کئے جاتے۔ اِن میں کم (low)، درمیانے (meduim) اور بہترین (high) اندازے ہوتے ہیں۔ اور ایسے سوال ہیں جن کے جوابات کسی کے پاس نہیں ہیں۔ (اِس) سیارے کی طویل مدت تک قائم رہنے کی صلاحیت کتنی ہے؟ کم ہوتی ہوئی فرٹیلیٹی کے بجائے بڑھتی ہوئی شرح اموات سے آبادی کم ہونے میں نظریاتی طور پر کتنی جانیں ضائع ہوں گی؟ ابھی سے ہی ایڈز سے پچاس ملین اموات کے نقصانات کا اندازہ لگایا جا چکا ہے۔ اِس کا اختتام کہاں ہو گا؟ اور کتنی وبائیں گھات لگائے بیٹھی ہیں؟

فوجی تنازعات بآسانی کئی بلین افراد کی موت کا سبب بن سکتے ہیں۔ آبادیاتی پیشین

گوئیاں کسی صورت سٹاک مارکیٹ کے لیے لگائے جانے والے اندازوں سے مختلف نہیں ہوتیں۔ بہرصورت یوجی نکس کے حامیوں کی یہ دلیل ہے کہ بہترین طریقہ یہ ہے کہ مخالف سمت کے خطرات سے بچنے کے لیے ہم ضرورت سے زیادہ احتیاط سے کام لیں۔ ایسی آبادی جونسبتاً کم ہو اور موجودہ قابلِ تجدید وسائل کے ذریعے زندہ رہنے کے قابل ہو۔۔کم پریشانی کا باعث بنے گی اورنئ معیشت کی جانب تبدیلی کو قابلِ انتظام (manageable) بنائے گی۔

OOO

بیچ کے سوکھے، مردہ پتوں کے درمیان تم، رات کو جلتی آگ میں
کسی قربانی (چڑھاوے) کی طرح جلے، تم پوشیدہ۔۔۔۔۔۔۔۔
(ڈی ایچ لارنس، "Scent of Irises"، 1916)

2-انسان دوستی

ڈارون نے کہا تھا کہ فطری انتخاب اُن کرداری خصوصیات کے لیے سازگار ثابت ہوتا ہے جو بقا کو ترویج دیتی ہیں۔ یوں محسوس ہوگا کہ خودکش رویہ، اُس حیوان کی تباہی کا سبب بنے گا جو اِس میں شامل ہو اور اِس کی افزائشِ نسل کو روک دے گا' تو پھر ماہرینِ معاشرتی حیاتیات (socio-biologists) پوچھتے ہیں کہ شہد کی مکھی کے اِس رویے کی کس طرح وضاحت کی جاسکتی ہے' جب وہ اپنے چھتے کے لیے خطرے کا سبب بننے والے کو ڈنگ مار کر اپنا پیٹ بھی پھاڑ لیتی ہے اور اِس طرح اپنے آپ کو ختم کر لیتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ فرد کے بجائے نسل کی بقا اہم ہے۔ اگر چہ ایک مکھی مر جاتی ہے لیکن اُس چھتے میں رہنے والی دوسری رُکن (ممبر) مکھیاں اُسکی ہو بہو نقل (identical copies) ہیں اور ایک مکھی کی قربانی سے اُن کی جینز کے قائم رہنے کے امکانات بہتر ہو جاتے ہیں۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے تک ایک انسانی فرد کی بقا کو مشکوک سمجھا جاتا تھا۔ جسمانی لحاظ سے انسان غیر متاثر کن حیوان ہیں' جو بآسانی اُتر جانے والی کھال، پنجوں سے محروم، کمزور نظامِ عضلات اور کمزور دانتوں کے حامل ہیں۔ پرانے وقتوں میں قبیلے سے باہر موقع پرست آدم خوری سے زندہ رہنے کے امکانات بہتر ہو جاتے تھے۔ سوا ایسے افراد یا گروہوں کو نہ صرف دشمن بلکہ خوراک کا ممکنہ ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ ہم بالکل ایسے ہی ارتقائی عمل کی پیداوار ہیں۔

حیوانوں کی تمام اقسام میں خاندان سے باہر انسان دوستی بہت کم پائی جاتی ہے۔ بقا کے لیے زیادہ سے زیادہ محنت صَرف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اجنبی جینز پر کی جانے والی (منتشر یا غیر مرتکز (non-focused) انسان دوستی کی) یہ محنت اکارت جاتی ہے اور

ازروئے تعریف اِس سے بقا میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ زیادہ تر خصوصیات ایک تسلسل میں مرتب ہوتی ہیں اور انسان دوستی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اگر ایک ایسا شماریاتی خط بنایا جائے جس میں ایک رُخ پر منتشر (diffuse) اور دوسری جانب مرتکز (focused) انسان دوستی دکھائی جائے تو نتیجہ مرتکز انسان دوستی یعنی قریبی نسل کی جانب جھکا ہوا (skewed) خط ہوگا۔

جیسے جیسے انسان نسبتاً بڑے گروہوں (قبائل) میں منتقل ہوتا گیا، اُس کے ساتھ ساتھ تخصص (specialization) اور تعاون بڑھتا گیا۔ (اِس خط کا) جھکاؤ قائم رہا لیکن یہ زیادہ نمایاں نہ تھا اور لوگوں نے "قوانین کے تحت جینا" حتیٰ کہ جھوٹ موٹ کی غیر مرتکز انسان دوستی کو ظاہر کرنا سیکھ لیا۔ لیکن حقیقت میں جین (genes) میں حقیقی تبدیلی نہ آسکی۔ انسان (Homo sapiens) کی سیاسی تاریخ تشدد کا متواتر سلسلہ پیش کرتی ہے اور عالمِ حیوانات میں اُس کے مقام کا غیر جذباتی/معروضی تعین اُسے شکار خوروں (predators) کی صف میں کھڑا کرتا ہے۔

ہم کس طرح کا معاشرہ چاہتے ہیں؟ انسان دوستی جس حد تک ہمارے جین سے متعین ہوتی ہے' (اُس سلسلے میں) مصنوعی انتخاب نظریاتی طور پر ایسی معاشرتی پروفائل تخلیق کرنے میں مدد دے سکتا ہے جو مرتکز انسان دوستی کی جانب جھکی ہوئی ہو۔ ایک بہتر معاشرے کے لیے کام کرنے میں یہ مشکل حائل ہے کہ ایسے کسی عمل میں لازمی طور پر محنت حتیٰ کہ موجودہ نسل سے قربانی بھی شامل ہوگی جس میں مکمل آمروں (ڈکٹیٹرز) کی طاقت موجود ہے۔

یہ سب باتیں مایوس کن نتائج کی طرف لے جاتی ہیں۔ انسانی ماحولیات کے پروفیسر گیرٹ ہارڈن لکھتے ہیں کہ لوگوں سے اُن کے ذاتی مفاد کے خلاف عمل کرنے کی امید رکھنا بیکار ہے (۵۵) اور اخلاقیات کے ماہر پیٹر سنگر "جوابی ایثاریت پسندی (انسان دوستی) (reciprocal altruism)" کو محض "تعاون کے لیے تکنیکی اصطلاح" قرار دیتے ہیں۔ (۵۶)

بلا شبہ اصل سوال یہ ہے کہ انسان دوستی کے لیے کس طرح انتخاب کیا جائے؟ دوسری خصوصیات کی طرح یہاں بھی انہی سوالات کے جوابات دیئے جانے چاہئیں۔ کس طرح پیمائش کی جائے؟ فطرت اور پرورش کا نسبتاً کتنا کردار ہوتا ہے؟ کونسی جین اِس میں کام آتی ہیں

اور اُن کی کیا ترکیب (combination) ہوتی ہے؟ موروثیت کی صلاحیت کیا ہوتی ہے؟ مثبت اور منفی یوجی نکس کی کونسی ترکیب مؤثر ثابت ہونے کا امکان ہے؟

یوجی نکس کا حمایتی ایک اچھے Trekkie (Star Trek کے دلدادہ) کی طرح ہوتا ہے جو ایسی عالمی تہذیب قائم کرنا چاہتا ہے جو خرچ کو اپنا بنیادی مقصد نہیں بناتا بلکہ ایسے محبت کرنے والے، غیر شکار خور (non predatory) معاشرے کی تمنا کرتا ہے جو عقلی افزودگی کے مقصد کی تلاش کرتا ہے، ایسا معاشرہ جو مادی معیارِ زندگی کو اِس ذہنیت کی ضمنی پیداوار (byproduct) کے طور پر حاصل کرتا ہے۔ تہذیب اور سائنس کو محض وسیلے یا مادی نتیجے کے بجائے بذاتِ خود مقاصد سمجھا جاتا ہے۔ اعلیٰ مادی معیارِ زندگی کو علم اور محبت کے ذریعے حاصل کی جانے والی شئے مانا جاتا ہے اور اِس سے متضاد سوچ بالکل نہیں رکھی جاتی۔

کوئی بھی فلسفۂ حیات اپنے بنیادی قضیوں کی وضاحت نہیں کرسکتا۔ یہ بیان کردہ، انفرادی یا گروہی اقدار ہوتی ہیں۔ وہ معاشرہ جو زیادہ سے زیادہ مادی خرچ کو اپنا حتمی مقصد بنانے کا اعتراف کرتا ہے، جو آئندہ نسلوں کی قسمت میں معمولی دلچسپی ظاہر کرتا ہے، جو ثقافت اور سائنس کے خرچ میں کردار کے علاوہ انہیں کوئی اہمیت دینے سے انکار کرتا ہے، وہ ایسے حوالے سے آگے بڑھتا ہے جسے منطقی طور پر زبردستی مغلوب نہیں کیا جاسکتا۔ زندگی کا ایسا نظریہ، انتخاب کے ایک ارتقائی انتخابی عمل کی پیداوار ہوتا ہے جس نے قبیلے سے تعلق رکھنے والی مخصوص ایثاریت پسندی (انسان دوستی) پر مہربانی کی۔

موازنے کے لحاظ سے، یوجی نکس تحریک ایک ایسی عالمگیریت کی حمایت کرتی ہے جو ہماری جنس کے اِس کرۂ ارض پر پائی جانے والی تمام اجناس کے ساتھ تسلسل کو پہچانتے ہوئے تمام نسلِ انسانی کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ کسی بھی ہم مرکزی لائحہ عمل کی تردید کرتی ہے جس کے تحت ہمارے ساتھی انسان ہمارے استعمال کے لیے محض چارہ بن کر رہ جائیں۔ یوجی نکس کے حمایتی جینیاتی جوڑ توڑ، مشینی بڑھوتری حتیٰ کہ دوسرے سیاروں کی مخلوقات سے رابطے کی ضرورت کو بھی سمجھتے ہیں۔

اِس اخلاقی نظام کا مؤثر نکتہ "the greater good" ہے جسے جیریمی بینتھم (Geremy Bentham)(1748-1832) کے نظریۂ لذت سے متعلق بیانات کے بجائے

جان سٹیورٹ مِل (1806-1873) کی شخصیت کے حوالے سے بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ (یہ) فلسفہ عالمِ مخلوقات سے نکل کر بذاتِ خود سوچ کا بھی احاطہ کرتا ہے۔

یوجی نکس کے ماہرین کی دلیل ہے کہ ہمارے جین میں بہت کچھ ایسا ہے جو گزشتہ نسلوں اور مخلوقات کے لیے مفید ثابت ہوا لیکن اب حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ وہ اِس بات پر قائم ہیں کہ:

> مثال کے طور پر یہ بالکل ممکن ہے کہ کم ذہانت کے حامل ایسے افراد تیار کئے جائیں جو ہمارے وہ کام کرسکیں جو ہاتھوں سے کئے جاتے ہیں جیسا کہ موجودہ صورتِ حال میں ہم نیشنل امیگریشن پالیسی کے تحت باہر سے ایسے افراد درآمد کرتے ہیں۔ اپنی موجودہ محدود فہم کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اپنی پیشگوئی کرنے کی طاقت کو ضرورت سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔ اور پسندیدہ اور ناپسندیدہ کو جدا کرنے میں ضرورت سے زیادہ تنگ نظری کا خطرہ (بھی) موجود ہے۔

OOO

میں تقسیمِ کار پر یقین رکھتا ہوں، تم ہمیں کانگریس میں بھجوا دیتے ہو
ہم ایسے قوانین منظور کرتے ہیں جن کے ذریعے تم پیسہ کماتے ہو۔۔۔
اور اپنے منافع میں سے تم پھر سے ہماری الیکشن مہم پر خرچ کرتے ہو
تاکہ ہم واپس جا کر ایسے قوانین منظور کریں
جو تمہیں مزید پیسے کمانے میں مدد دے۔

سینیٹر بوئس پینروز (R-Pa)، 1896

سیاست میں دو چیزیں زیادہ اہم ہوتی ہیں
ایک پیسہ اور دوسری چیز مجھے یاد نہیں ہے

سینیٹر مارک حینا (R-oh)
چیئرمین، ری پبلکن نیشنل کمیٹی، 1896

باب پنجم

معاشرہ اور جین

1- سیاست: جمہوریت کی آڑ میں ساز باز

1999 میں جب ہم نئے ہزاریے (Millinium) میں داخل ہونے کے لیے راستہ بنا رہے تھے تو گیلپ پول سے معلوم ہوا کہ 68 فیصد امریکی سکولوں میں نظریۂ ارتقاء کے ساتھ نظریۂ تخلیقیت رخدا کے کائنات کو تخلیق کرنے کے نظریے (creationism) کو بھی پڑھانے کی حمایت کرتے ہیں اور 40 فیصد بالخصوص مؤخرالذکر کے حق میں تھے۔ 47 فیصد اِس خیال کی حمایت کرتے ہیں کہ "خدا نے پچھلے دس ہزار سالوں میں سے کسی ایک وقت میں انسانوں کو اُن کی موجودہ حالت میں پیدا کیا" (اِن کی تعداد 1982 میں 44 فیصد تھی!)۔ (۵۷) الٰہیات دان جان سی فلیچر کے الفاظ میں "تنازعے نے عقلی بحث پر خوف اور غلط فہمی کی چادر تان رکھی ہے"۔(۵۸)

معاشرتی اور سیاسی ڈھانچوں کی جینیاتی بنیادیں ایک ایسے موضوع پر مشتمل ہیں جس پر بات کرنے سے نڈر ماہرینِ معاشریات اور سیاسی سائنسدان دو تہائی صدی سے کترا رہے ہیں۔ یہ ایسا ٹیبو (Tabu) ہے جو ہماری اپنے بارے میں فہم کو بے حد مسخ کرتا ہے۔

کبھی بھی ایسا کوئی معاشرہ موجود نہیں رہا جس کی ساخت اتنی غیر لچکدار ہو کہ جس میں صلاحیت کا کوئی کردار نہ ہو۔ سیزرز، فرعونوں، عثمانیوں، زاروں اور غالبًا ماین شہزادوں میں کوئی باصلاحیت غلام کبھی کبھار اپنی صلاحیت کا مظاہرہ کر کے اعلیٰ مرتبے تک پہنچتا رہا ہے۔ لیکن جدید معاشرے میں جہاں نقل و حرکت اتنی بڑھ چکی ہے، عالمی تعلیم اور درجہ بند mating زیادہ

سے زیادہ درجہ بندی کو ایسی کلاسوں میں تقسیم کر رہی ہے جن کو پھر دولت اور طاقت کی درجہ بندی دھندلا دیتی ہے۔ آمریت میں حکومت اپنے شہریوں کے متعدد افعال کا تعین براہِ راست کرنے کی جانب مائل ہوتی ہے جبکہ جمہوریت میں شہری طبقہ عموماً انتخاب کی زیادہ آزادی رکھتا ہے۔ لیکن بے حد غیر مزاحم (اختیاری) جمہوریت میں اگر کوئی فرد آزاد وسائل نہیں رکھتا اور بھوکا مرنا نہیں چاہتا تو اُسے ایسا کوئی فعل ضرور سرانجام دینا چاہئے جسے معاشرہ کوئی اہمیت دیتا ہو۔ دونوں نظاموں میں اہم لفظ دباؤ ہے۔ ایسا ذاتی رائے (value judgement) کے طور پر نہیں کہا گیا بلکہ یہ زندگی کی حقیقت ہے۔ جمہوریت اور آمریت کے درمیان تفریق کا تعلق بنیادی طور پر اِس امر سے ہے کہ حکام ایک ہی طرح کے کاموں۔۔۔جن میں کوڑا کرکٹ اٹھانے سے لے کر سکول میں پڑھانے تک ہر چیز شامل ہے۔۔۔کو کس طرح انجام دیتے ہیں اور اِس طرح ایک عملی معاشرتی طریقہ کار قائم کر کے اقتدار میں رہنے والوں کو اقتدار میں ہی رہنے کی اجازت دیتے ہیں۔

پیداوار / خرچ بڑھانے کے لیے Gulay کی نسبت سرمایہ دارانہ نظام کا Skinner Box بے حد مؤثر ثابت ہوا ہے۔ بلا شبہ ہم میں بلیوں کی نسبت مویشیوں کے ساتھ بہت سی مشترکہ عادات پائی جاتی ہیں کیونکہ ہم حیران کن آسانی کے ساتھ ہانکے جاتے ہیں۔ اگر عوام معاملات کو سمجھنے میں ناکام رہیں تو حقیقی جمہوریت ممکن نہیں ہوتی۔ سیاسی تاریخ اُن دنوں کی ٹوٹی کڑی کے سوا اور کچھ نہیں جو ہم ذلت میں گزارتے ہیں۔

آمریتوں کو قائم رکھنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ ایسا لیڈر جو اُس معاشرے میں طاقتوں کے رجحانات کو اہمیت دینے سے انکار کرتا ہے اُسے بالآخر اقتدار سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ دوسری جانب جمہوریتیں عام رائے کی جوڑ توڑ کے ذریعے کافی لچک کی حامل ہوتی ہیں۔ جہاں تک سیاسی مکالمے کا تعلق ہے تو یہ تین سطحوں پر ہوتا ہے:

(ا) مصنوعی معاملات جو عوام کو گمراہ کرنے کے لیے تیار کئے جاتے ہیں
(ب) حکمران طبقے کے حقیقی (عام طور پر پوشیدہ) نظریات
(ج) مخلوقات کی بقا سے متعلق طویل مدتی معاملات جو کہ مستفید ہونے والوں کا کوئی انتخابی حلقہ نہ ہونے کی وجہ سے عام طور پر زیادہ تر دبائے جانے کے بجائے

نظر انداز کئے جاتے ہیں۔

1933 میں سابقہ سول سرونٹ جان میکنائے نے مایوسی سے عظیم کساد بازاری (Great Depression) پر نظر ڈالتے اور "دنیا کو جمہوریت کی خاطر محفوظ بنانے کے لیے لڑی جانے والی مقدس جنگ پر غور کرتے ہوئے اپنی کتاب ?Who Rules America میں اپنے ملک کی "پوشیدہ حکومت" کو "ایسے افراد یا گروپوں یا تنظیموں کی جانب سے۔۔۔۔۔۔ بد بخت نہ سہی خود غرض معاشی مقاصد کے لیے سیاسی کنٹرول کہا ہے جو اُس ذمہ داری سے بچنے میں احتیاط برتتے ہیں جو ہمیشہ طاقت کے ساتھ آتی ہے۔ وہ معاشرے اور کاروبار میں کٹھ پتلیوں کے نقاب کے پیچھے سرگرمِ عمل ہوتے ہیں"۔ اِس کے ٹھیک آدھی صدی کے بعد ماہرِ معاشریات جی ولیم ڈمہوف، جس کے سیاسی نظریات میکنائے کی نسبت بالکل بائیں بازو کے تھے، اُنہی نتائج پر پہنچا جو ?Who Rules America Now میں بیان کئے گئے تھے، (۵۹) جب اُس نے اہم پیوستہ حکمران طبقے کو بیان کیا جو معاشرتی اور سیاسی ماحول کی تشکیل کرتی ہے اور معیشت اور حکومت میں غالب کردار ادا کرتی ہے جس کا مقصد اپنے ذاتی مفاد کو تقویت دینا ہوتا ہے۔

سیاست سے زیادہ اور کوئی انسانی تعامل شدید مسابقتی نہیں ہے۔ اِس عمل کی حقیقی فطرت کیا ہے؟ اِس کے لیے محض ایک مثال سامنے رکھتے ہوئے واشنگٹن ڈی سی "منتشر لیکن جڑے ہوئے (networked)"، پیسے والوں، سیاسی طور پر نفیس افراد کا گھر ہے، جبکہ اُسی شہر کے 37 فیصد شہری تھرڈ گریڈ لیول یا اُس سے بھی کم درجے پر پڑھ سکتے ہیں۔ (۶۰) یہ صورتحال ایسی ہی ہے جیسے ایک دوڑ لگانے والا چیمپئن، وہیل چیئر میں موجود نوے سالہ شخص سے مقابلہ کرے۔ غیر حیران کن طور پر، اِس دوڑ میں "جیتنے والے" اُس عمل کی حمایت کرتے ہیں جو انہیں اپنے سیاسی عمل کو حاصل اور قائم رکھنے میں مدد دیتا ہے اور وہ بھی کسی احساسِ شرمندگی کے بغیر۔

آج امریکیوں کا ایک فیصد حصہ، قوم کی چالیس فیصد دولت کا مالک ہے۔ (۶۱) الیکشنوں میں وابستہ مفاد (vested interests) کی مدد سے الیکشن کے دوران جاری تحریک میں مالی امداد کی جاتی ہے جس کے کچھ حصے اُن ووٹرز کا اندراج کرنے میں استعمال ہوتے ہیں

تا کہ یہ جانا جا سکے کہ وہ کیا سننا چاہتے ہیں۔ اور اُس کا ایک بڑا حصہ اُس اشتہار بازی پر خرچ کر دیا جاتا ہے جو کسی سافٹ ڈرنک کے اشتہار کی طرح ہی غیر منطقی ہوتا ہے۔ نتیجتاً جو اشتہار بازی سامنے آتی ہے وہ رائے شماری کرنے والوں کی معلومات اور اُس چیز کا مجموعہ ہوتی ہے جسے پروپیگنڈا کرنے والے ماہرین کے خیال میں عوام الناس قبول کرے گی۔ اِس پہ مستزاد یہ کہ حقیقت میں چند گنے چنے لوگ زیادہ تر میڈیا کو کنٹرول کرتے ہیں اور مزید اختلاط کو روکنے کے لیے خلافِ ارتکاز قانون سازی (antitrust legislation) کے بارے میں کوئی بات نہیں کی جا رہی اور (یہ) نظام کسی رکاوٹ کے بغیر چلا جا رہا ہے۔۔۔ جو کہ اِسے بنانے کا مقصد تھا۔ جب بالآخر اُمیدوار کا انتخاب کر لیا جاتا ہے تو وہ اپنے مخالف سے زیادہ خرچ کر کے اُن لوگوں کی بولی لگاتا ہے جنھوں نے اُس کے بل کی ادائیگی کی۔ اگر الیکشن کے نتائج کے بارے میں کوئی شک پایا جاتا ہو تو امیدوار کو محض اپنے آپ کو جھنڈے میں لپیٹ کر اپنے مخالفین کی اعلانیہ ملامت کرنی ہوتی ہے۔ اِس کے نتیجے میں اشرافیہ اور عام لوگوں کے درمیان فہم کا ناقابلِ عبور خلا پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی یونیورسٹی پریس کی جانب سے شائع کی جانے والی ایک سنجیدہ کتاب کی شائع ہونے والی کاپیوں کی تعداد چند سو جبکہ ایک اوسط مقبولیت کے ٹیلیوژن شو کے شائقین کی تعداد کئی ملین ہوتی ہے اور ہالی ووڈ کے دیکھنے والوں کی تعداد پوری دنیا میں کئی بلین ہے۔ مفروضہ طور پر دانشور اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے آزاد ہیں (کم از کم جب تک وہ اقتدار میں رہنے والوں کے لیے خطرہ نہ ہوں) لیکن باخبر رائے، سیاسی عمل کے لیے بیکار ہوتی ہے۔

یہ صورتحال عوام الناس کے معاملات کی حقیقی نوعیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ممکن ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی باشعور مشاہدہ کرنے والا، انسانی معاشرے کو کس طرح عقلی فیصلے کرنے والے باخبر افراد کا مجموعہ سمجھ سکتا ہے۔ 2000 کے ایک گیلپ پول کے مطابق سوال کئے جانے والے افراد میں سے 34 فیصد ممکنہ صدارتی امیدواروں کے نام نہ بتا سکے۔ ہائی سکول یا اُس سے کم تعلیم حاصل کرنے اور 20000 ڈالر سالانہ سے کم آمدنی کے حامل افراد میں بے خبری کی یہ شرح 55 فیصد تک تھی۔ National Assessment of Education Progress کے ایک سروے کے مطابق ٹیسٹ کئے جانے والے افراد میں

سے 56 فیصد 100 میں سے 55 (۶۲) اور 37 کو ٹھیک طرح سے منفی نہ کر سکتے تھے۔ 18 فیصد 67 x 43 کا حاصل ضرب نہ بتا سکتے تھے، 24 فیصد 0.35 کو 35 فیصد میں تبدیل نہ کر سکتے تھے اور 28 فیصد افراد "تین لاکھ چھپن ہزار ستانوے" کو عددی شکل میں "356,097" لکھنے سے قاصر تھے۔ (۶۳) اِس کے علاوہ 24 فیصد بالغ امریکی اِس بات سے بے خبر تھے کہ امریکہ نے برطانیہ کے ساتھ عظیم انقلابی جنگ لڑی اور 21 فیصد افراد یہ تک نہ جانتے تھے کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ (۶۴) نارتھ ایسٹ مڈویسٹ انسٹیٹیوٹ ایک نان پرافٹ تعلیمی ریسرچ گروپ ہے جس کے مطابق 60 ملین بالغ امریکی، اخبار کا پہلا صفحہ پڑھنے سے قاصر تھے۔ (۶۵) 18 سے 24 سالہ امریکیوں میں سے 10 میں سے 3 دنیا کے نقشے پر بحرالکاہل تلاش نہ کر سکتے تھے، 67 فیصد برطانوی افراد یہ نہ جانتے تھے کہ دوسری جنگِ عظیم کس سال ختم ہوئی اور 64 فیصد اِس بات سے نابلد تھے کہ فرانسیسی الپس کس ملک میں پائے جاتے تھے۔ (۶۶)

جہاں تک آرٹ، فلسفے، سنجیدہ موسیقی، لٹریچر وغیرہ کا تعلق ہے۔۔۔ وہ شعوری سوچ اور تخلیقی قوت جس سے ہماری زندگیوں کو اُن جانوروں کی زندگیوں کی نسبت بہتر معنی حاصل ہوتے ہیں جو ہماری ہی طرح محبت اور نفرت کرتے اور خواب دیکھتے ہیں۔۔۔ ایسے معاملات لوگوں کی بڑی تعداد کے لیے غیر دلچسپ موضوع ہوتے ہیں۔

لیکن یہ بھی عقیدۂ مساواتِ انسانی سے متعلق سیاست (egalitarianist politics) کے انتہائی درجے کو ظاہر نہیں کرتا۔ کئی ملین ایسے افراد جو اِس حد تک دماغی فتور کا شکار ہیں کہ وہ اپنا لباس تبدیل کرنے یا اپنے خاندان کے افراد کو پہچاننے کے قابل نہیں ہوتے لیکن وہ قومی لیڈرشپ کا انتخاب کرنے میں حصہ لیتے ہیں۔ رہوڈ آئی لینڈ اور پینسلوینیا میں ایسے دماغی امراض کے کلینک میں داخل مریضوں کے سروے سے معلوم ہوا کہ بالترتیب وہاں کے 60 اور 64 فیصد افراد نے ووٹ دیا۔ براؤن یونیورسٹی کے برائن آر۔ اوٹ نے معلوم کیا کہ اوسط درجے کے دماغی فتور میں مبتلا 37 فیصد اور شدید دماغی مرض میں مبتلا 18 فیصد افراد نے ووٹ دیا۔ (۶۷)

باصلاحیت افراد کے انتخاب کے لیے آج جدید معاشرے نے معاشرے میں شامل

عوام کواُن ذہین ہنرمندوں اور شاعروں سے محروم کر دیا ہے جو ماضی میں قومی ثقافتوں کی تخلیق کرتے اورانہیں قائم رکھتے تھے۔(٦٨) کسی مقامی سپر مارکیٹ کے میگزین سیکشن کے چکر لگانا یا کئی سوچینل کو بدلنا مایوس کن تجربہ ثابت ہوتا ہے۔

OOO

اُس بے فکرے بچے کو دیکھو جو ہمارے سامنے ناچتا ہے

سارہ کولیج،"The Child"

2- فلاح اور فرٹیلیٹی (زرخیزی)

کیا نام نہاد فلاحی معاشرے کا مقصد بنیادی طور پر (اپنی) فطرت کے لحاظ سے فتورِ نسلی (dysgenic) ہے؟ 1936 میں مشہور ماہرِ حیاتیات جولین ہکسلے نے یوجی نکس سوسائٹی کے سامنے اپنے گالٹن (Galton) لیکچر میں نظریۂ وراثت (hereditarian view) کے بارے میں سخت خیالات کچھ یوں پیش کئے:

> سب سے نچلے طبقے۔۔۔ جسے جینیاتی لحاظ سے کم صلاحیت کا حامل مانا جاتا ہے۔۔۔ کو مدد یا ہسپتال میں علاج تک بآسانی رسائی حاصل نہیں ہونی چاہئے کہ کہیں فطری انتخاب پر آخری پابندی (رکاوٹ) کے دور ہونے سے بچے پیدا کرنا یا زندہ رہنا آسان نہ ہو جائے۔ طویل بے روزگاری، بانجھ کاری (sterilization) کی بنیاد ہونی چاہئے یا کم از کم اِس دنیا میں مزید بچے نہ لانے پر مدد کا امکان ہونا چاہئے۔ (۶۹)

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ عظیم کساد بازاری کی انتہا پر لکھا گیا تھا اور فلاح (مدد) حاصل کرنے والے بہت سے لوگ خراب جین کے بجائے ناکام مالی پالیسیوں کے شکار تھے۔

گو کہ اوسط درجے کی مدد پانے والی ماں کو دو سال تک امداد ملتی ہے لیکن کبھی شادی نہ کرنے والی مائیں جو کم عمری میں بچے پیدا کرتی ہیں، کی اوسط انحصاریت آٹھ سال یا اِس سے زائد عرصے کے لیے ہوتی ہے۔ (۷۰) یہ نام نہاد طویل فلاحی کیس (cases) ہیں۔ اوسطاً ناجائز بچوں کی ماں اُن ماؤں کی نسبت آئی کیو کے لحاظ سے دس پوائنٹس نیچے ہوتی ہے جن کے بچے جائز ہوتے ہیں۔ (۷۱) یہ بچے مستقبل میں نظر انداز، بے لگام اور بگڑے خلیوں کے حامل بچوں کا

پول بنانے میں مدد کرتے ہیں۔ (۷۲)

یہ طریقہ کار معاشی معلوم ہوگا۔ اوسط یا زیادہ صلاحیت کی حامل نوجوان لڑکی زندگی میں حاصل ہونے والے کئی مواقع سے فائدہ اٹھا سکتی ہے اور اُسے فلاحی مقصد کے لیے ملنے والی عام سی رقم میں زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی۔ جبکہ کم از کم ذہانت کی حامل عورت شعوری طور پر حکومتی امداد کو کم آمدنی والی تنخواہ میں تنگدستی کی حقیقتوں سے آزادی اور چھٹکارا سمجھ سکتی ہے۔ یہ بات بے حد منطقی معلوم ہوگی کہ امداد جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی لالچ بھی ہوگا۔ اِسکے باوجود معیشت اور فرٹیلیٹی (زرخیزی) کے درمیانی تعلق کو اب بھی غیر ثابت شدہ مان کر چیلنج کیا جاتا ہے۔ مثلاً ماہرِ آبادیات ڈینئل وائننگ نے اِس امر کی جانب اشارہ کیا کہ جنوبی ریاستوں میں مدد کے لیے دی جانے والی کم رقوم نے فرٹیلیٹی کی طرز میں نمایاں کمی نہ کی۔ (۷۳)

یہاں ہمارے سامنے دشوار اُلجھن ہے۔ اپنے کمزور ترین ممبران کا خیال رکھنا معاشرے کی ذمہ داری ہے لیکن اِس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایسا کرنے سے ہم نے کم آئی کیو کی حامل خواتین (جو عام طور پر کم آئی کیو کے حامل مردوں سے شادی کرتی ہیں جسے "درجہ بند mating" (assortive mating) کہا جاتا ہے) کی فرٹیلیٹی میں اضافہ کر دیا ہے اور انہیں ہر بچے کے عوض زیادہ ادائیگی کرتے ہیں۔ AFDC پر انحصار کرنے والی خواتین کے اوسطاً 2.1 بچے پیدا ہوتے ہیں۔ (۷۴) امریکی فرٹیلیٹی طرز میں یہ ایک اہم عنصر ہے۔

کیا کیا جائے؟ کیا غریب عورتوں اور اُن کے بچوں کی مالی مدد نہ کی جائے؟ اعلیٰ طبقے کو بچے پیدا کرنے کے لیے رشوت دی جائے؟ یا پھر مایوس ہو کر معاشرے کو جینیاتی طور پر کم ذہانت کی طرف جانے دیا جائے؟ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ معاشرتی حقائق میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟ یقیناً ہمارے لیے یہ مناسب ہوگا کہ ہم کم از کم غرباء کے لیے خاندانی منصوبہ بندی کی سہولیات میں اضافہ کر دیں۔

یہ سادہ حقیقت ہے کہ موجودہ ریاستی پالیسیاں۔۔۔ چاہے وہ داخلی ہوں یا خارجی۔۔۔ پہلے ہی امتیازی فرٹیلیٹی طریقہ کار کو متاثر کر رہی ہیں اِس حقیقت کے باوجود کہ موجودہ سیاسی ماحول اِس عنصر پر بات کرنے کو بھی ناممکن بناتا ہے۔ چونکہ تعریف کے لحاظ سے آئندہ نسلیں زیرِ حلقۂ انتخاب کی نمائندگی کرتی ہیں اِس لیے عوامی حلقے کو افقی جبکہ عمودی یا طولی

اثرات کو زیادہ تر نجی حلقے کے حوالے کر کے نظر انداز کیا جاتا ہے۔۔۔یعنی یہ زیادہ تر غیر منظّم رہتے ہیں۔

یوجی نکس اِس افقی (عمودی) پوزیشن کی مخالفت کرتی ہے اور اِس بات پر قائم ہے کہ چونکہ آج زندہ رہنے والوں کی نسبت وہ افراد ایک بڑی ممکنہ آبادی بناتے ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے سو اُن کے حقوق زیادہ اہم ہیں۔تعریف کے لحاظ سے سیاست، حال میں رہنے والوں کی درمیانی جدوجہد کا نام ہے اور کسی جماعت کے درمیان پایا جانے والا تنازعہ اُن کے لیے فتح لیکن اُن کی اولادوں کے لیے تباہی ثابت ہوسکتا ہے۔جیسے کہ والدین کے اوپر پڑنے والی آفت بچوں کے لیے خوش کن ثابت ہوسکتی ہے۔

اب ہم جنس (Sex) کو افزائشِ نسل سے الگ کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔اِن میں سے ایک، دوسرے کے بغیر واقع ہوسکتا ہے۔اب عورتوں کے لیے مرد کے نطفے سے بچنا ممکن ہے۔(۷۵) غرضیکہ جنسی کشش کے حق کو نجی حلقے میں رکھتے ہوئے یوجی نکس کے حامی اِس بات کی دلیل دیتے ہیں کہ افزائشِ نسل کے حقوق۔۔۔جس حد تک یہ مستقبل کے لوگوں کی فطرت کو بیان کرتے ہیں۔۔۔کو معاشرہ نظر انداز کرسکتا ہے لیکن اِس سے خود ہی نقصان پہنچے گا۔

OOO

اے خون، جو میرے باپ کا خون ہے
اِن ناپاک رگوں میں دوڑتا ہوا،
اگر تجھے آگے زمین پر ڈال کر
جرم مٹایا جاسکے۔۔۔

Percy Bysshe Shelley, "The Cenci"

3- جرم اور ذہانت

جین تقریباً ہر طرح کے رویے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں جن میں شراب نوشی، سگریٹ پینا، خود تسکینی، مختلف اقسام کے خوف، اعصابیت، بے خوابی، (چائے چھوڑ کر) کافی پیتے رہنا، (۷۶) شیزوفرینیا، شادی اور طلاق، نوکری کی جانب سے اطمینان، مشاغل اور خوف شامل ہیں۔ حیران کن طور پر ایک تجزیہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ گانے کی صلاحیت میں جین کا کوئی کردار نہیں ہوتا، (۷۷) لیکن ایک مختلف تجزیہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ آواز کے زیروبم کا ادراک ورثے میں منتقل ہونے کا بہت زیادہ امکان ہوتا ہے اور آواز (سُر) اونچے سننے کے موروثیت کے امکانات 0.8۔۔۔یعنی جینیاتی لحاظ سے پیچیدہ خصوصیات اور قد جیسی مسابقتی خصوصیات کے برابر ہوتے ہیں۔ (۷۸) جانوروں کی نسل کشی کرنے والوں حتیٰ کہ پالتو جانور پالنے والوں کو مختلف جنسوں کے درمیان اور مابین پائے جانے والے فرق کے بارے میں کوئی شکوک نہیں ہوتے اور ہم سب روزمرہ کے تجربے سے جانتے ہیں کہ لوگ پیدائشی طور پر ایک دوسرے سے کتنے مختلف ہوتے ہیں۔ بلاشبہ جین جرم میں بھی اہم کرادر ادا کرتی ہیں۔

اُنیسویں صدی کے وسط تک مجرموں کو انصاف دلانے کا نظام انسان کی آزاد رائے کے مفروضے کی روشنی میں چلتا تھا اور جرم کو ایسا گناہ سمجھا جاتا تھا جس کا کفارہ ادا کرنا ضروری تھا۔ 1850 کے اواخر میں فرانسیسی ڈاکٹر بی اے مورل نے کرمنل فزیکل انتھروپولوجی کا شعبہ قائم کیا۔ گالٹن نے خود اُن لازمی وسائل کی حمایت کی جو نہ صرف پاگلوں، دماغی لحاظ سے کمزور یا مسلمہ مجرموں بلکہ ناداروں کی نسل کشی کو بھی محدود کرتے تھے۔ (۷۹) 1876 میں ڈارون کی (کتاب) Descent of Man منظر عام پر آنے کے صرف پانچ سال بعد یہودی۔ اطالوی

ماہرِ جُرمیات اور ڈاکٹر سیزر لومبروسو نے The Criminal Man شائع کی جس نے مجرمیت کی حیاتیاتی فطرت کو پیش کرنے کی کوشش کی۔ لاشوں کی چیر پھاڑ کے ذریعے لومبروسو نے پیدائشی مجرم کے مخصوص جسمانی زخموں کے نشانات کی خصوصیات دریافت کرنے کا دعویٰ کیا اور اُس نے دیکھا کہ پیدائشی مجرم قدیم قسم کی ذہنی ساخت کے حامل تھے۔ اگر انسان ایسی حیاتیاتی جبریت کو قبول کر لے تو سزا کا تصور بے معنی ہو جاتا ہے۔

آج لومبروسو کے نظریات کو ناقص قرار دے کر ترک کیا جا چکا ہے لیکن جرائم میں جین کے کردار کے تجزیے انیسویں صدی تک محدود نہیں رہے۔ 1982 میں سویڈن میں کیے جانے والے ایک تجزیے کے ذریعے معلوم ہوا کہ متبنیٰ بچوں میں جرائم کی شرح 2.9 فیصد تھی گو کہ اُن کے اصل اور تبنیتی والدین کبھی کسی جرم میں ملوث نہیں رہے تھے جہاں اصل والدین میں سے کوئی ایک مجرم ہوتا وہاں یہ شرح 6.7 فیصد جبکہ دونوں والدین کے جرائم میں ملوث ہونے کی صورت میں یہ شرح قریباً دوگنی یعنی 12.1 فیصد تھی۔ (۸۰)

ابتداء میں بائیں بازو سے تعلق رکھنے والوں نے حیاتیاتی مثبتیت سے ہمدردی کا اظہار کیا لیکن جلد ہی مارکسیوں نے جرم کو ماحولیاتی طور پر طے شدہ قرار دیا۔ انارکسٹوں نے مجرموں سے اظہارِ ہمدردی کیا اور انہیں معاشرتی ناانصافی کو چیلنج کرنے والے باغی قرار دیا۔ سرمایہ دارانہ نظام میں جرم چھوٹے پیمانے پر قرار واقعی انقلاب کے زمرے میں شامل کیا گیا۔ اگر عقیدۂ مساواتِ انسانی کے حامی فرانز بوآز بشریات کا "بانی" تھا تو (معاشریات کی "سوتیلی اولاد") جرمیات کے پدری حقوق ایڈون ای سدرلینڈ کو دیئے جاتے ہیں جس کے لیے علم (حاصل کرنا) ایک ایسی معاشرتی پیداوار تھا جو حیاتیاتی ساختوں سے لاتعلق تھی۔ اُس نے 1914 میں Criminology شائع کی جو بیسویں صدی میں اِس موضوع پر سب سے موثر کتاب تھی۔ اپنے گہرے معنی اور بالخصوص بعد میں شائع ہونے والے اصلاح شدہ ایڈیشنوں کی بدولت، (اِس) شعبے میں کئی دوسری کتابوں میں کبھی بھی آئی کیو کا ذکر نہ کیا گیا اور اگر کبھی ایسا ہوا تو یہ بے حد معمولی اور نظر انداز کئے جانے کے قابل تھا۔

اِس کے ساتھ ساتھ ذہانت پر مبنی تجزیوں نے مسلسل یہ ظاہر کیا کہ جرم کرنے والے افراد، عام افراد کی نسبت کم آئی کیو کے حامل ہوتے ہیں۔ آئیووا کے ٹریننگ سکول میں کمسنی

میں جرم کرنے والے 200افراد کے تجزیے سے لڑکوں کا اوسط آئی کیو 90.4اور لڑکیوں کا 94.1 ثابت ہوا۔ مجرمانہ کارروائیوں میں مبتلا نہ ہونے والے لڑکوں کا اوسط آئی کیو 103اور لڑکیوں کا 105.5 تھا۔ (۸۱) 1969 میں کونٹرا کوسٹا کاؤنٹی کیلیفورنیا میں 3600لڑکوں کے پولیس ریکاڈ نے آئی کیو اور جرم میں 0.31- کا تعلق ظاہر کیا۔(۸۲) لندن کے 411لڑکوں کے گروپ کا دس سال کے عرصے کے لیے تجزیہ کیا گیا تا کہ جرم کرنے اور نہ کرنے والے گروپوں کا موازنہ کیا جائے۔ گوکہ 110یا زیادہ آئی کیو والے پچاس میں سے ایک لڑکا عادی مجرم تھا، لیکن 90یا کم آئی کیو والا پانچ میں سے ایک لڑکا اِس زمرے میں شامل تھا۔(۸۳) 1930 میں نظر ثانی شدہ Stanford Binet اور Wechsler- Bellevue سکیل ایجاد ہونے کے بعد مسلسل یہ ثابت ہوتا رہا کہ جرم کرنے والوں کے نمونے عام آبادی سے 8 آئی کیو پوائنٹس مختلف ہوتے ہیں۔(۸۴) یہ ایک اہم لیکن بہت زیادہ فرق ہے۔ ہم یہی گمان کر سکتے ہیں کہ اگر کمسنی میں جرم کرنے والے ایسے بچوں میں گرفتار کئے جانے والوں کا ریکارڈ زیادہ ہوتا جو کہ دھوکہ دینے میں اتنے ماہر نہ تھے تو شاید یہ فرق نسبتاً کم ہوتا۔ بالغ افراد میں بھی یہی عمومی رجحان پایا جاتا ہے۔ جرم کا ارتکاب کرنے والوں کا اوسط آئی کیو 92۔۔۔یعنی اوسط سے 8پوائنٹس یا ڈیڑھ معیاری انحراف(standard deviation) نیچے ہے۔(۸۵)

اصل میں ہو کیا رہا ہے؟ زندگی بذاتِ خود ایک سخت مقابلہ ہے۔ جس میں ہارنے والے ایک سے زیادہ مرتبہ شدید تنقید کا نشانہ بنائے گئے اور وہ فاتح کی جانب سے جلائی جانے والی آگ میں بھونے گئے۔ آج تہذیب قوانین (متوسط طبقے کی نام نہاد اقدار) لاگو کرتی ہے جو چند افراد کو جیتنے میں زیادہ کامیابی دیتے ہیں۔ ایک ایسی صورتحال کا تصور کیجئے جس میں صرف سب سے تیز دوڑنے والے کو کھانا ملنے کی شرط ہو۔ کچھ دیر کے بعد سست رفتار لوگ، سب سے تیز دوڑنے والے سے آگے نکلنے کے بجائے اُس کے سر پر چوٹ لگانے کی شدید خواہش کرنے لگیں گے۔ ذہانت کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ کامیاب سٹاک بروکر، سرجن اور وکیل کو دولت حاصل کرنے کے لیے جرم کا ارتکاب کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن پیشہ ورانہ سکیل کے نچلے درجوں پر ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جن کی ذہانت واقعتاً، مادی غلامی اُن کی قسمت میں لکھ دیتی ہے۔ کیا مجرمانہ رویے کی وضاحت کا کچھ حصہ اِس قدر سادہ ہوسکتا ہے؟

ورثے میں ملنے والی کم ایثاریت پسندی (انسان دوستی) کس حد تک جرم کا ایک عنصر ہوسکتی ہے؟ دوستووسکی کی جرم اور سزا میں پرانے گروی رکھنے والے کو برطرف کرنے سے قبل Raskolnikov پہلے اُس کے جرم کی عقلی توجیہہ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ عام لوگوں میں ایسے افراد کی ایک بڑی تعداد شامل ہے جن کے لیے جرم (احساسِ ندامت) ایک ترقی پذیر جذبہ ہے۔

کیا ہم واقعی انسانی ارتقاء کی رہنمائی کی زبردست ذمہ داری بیوروکریٹس کے حوالے کر سکتے ہیں؟ کیا ہم اب بھی جرم کی فطرت سمجھنے سے کافی دور نہیں ہیں؟ کیا ہم عوام میں جمود پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ کیا جرم خطرات مول لینے اور جان جوکھوں میں ڈالنے جیسی پسندیدہ خوبیوں کا شماریاتی حصہ نہیں؟

OOO

4- نقل مکانی

پورے کرۂ ارض پر بسنے اور اُس پر حاوی ہونے میں ہماری جنس نے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے میں بے حد محنت صرف کی ہے۔ اِس عمل کے دوران باہر سے آنے والی اجنبی اقوام نے مکمل تہذیبوں کو منتقل اور فتح کیا اور تسلط کی خاطر اپنے افراد اُن میں شامل کئے حتیٰ کہ انہیں ڈبو دیا گیا۔ معاشی معنوں میں زیادہ سے زیادہ تخصص (specialization) نے خود کفالت کی جگہ لی اور ایسے حکمران طبقے تخلیق کئے جنہیں اکثر مختلف نسلی پس منظر سے بھرتی کیا جاتا تھا۔(۸۶)

چونکہ کسی شخص کے ایک ملک سے دوسرے ملک نقل مکانی کرنے سے عالمی ٹیلنٹ کے پول میں کسی قسم کی کمی یا اضافہ نہیں ہوتا سو نقل مکانی ایک ایسا کھیل ہے جس میں کسی قسم کا فائدہ یا نقصان نہیں ہوتا۔ اِس کے باوجود چند ممالک جیتتے اور چند ہارنے والوں میں شامل ہوتے ہیں۔ امریکہ نہ صرف قابل افراد کی بڑی تعداد بلکہ ایسے افراد کے لیے بھی کشش رکھتا ہے جن کے نچلے معاشی زینے سے آگے بڑھنے کے امکانات بے حد کم ہوتے ہیں۔ 1980 میں نقل مکانی کرنے والوں کا اوسط آئی کیو 95 یا اوسط سے ایک تہائی معیاری انحراف (standard deviation) نیچے ہونے کا اندازہ لگایا گیا۔(۸۷) یہ اتنا کم فرق ہے کہ اِس کی وضاحت اُس غیر فائدہ مند ماحول سے کی جا سکتی ہے جہاں سے ایسے افراد آتے ہیں۔

ابتدائی انسان آہستہ آہستہ نقل مکانی کرتا تھا اور اضافی جینیاتی علیحدگی کی طویل مدتوں کے ذریعے تنوع پیدا کرتا تھا لیکن اب ذرائع آمدورفت میں انقلاب آنے سے علیحدگی تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔ یونائٹڈ نیشنز ایجوکیشنل اینڈ کلچرل آرگنائزیشن (UNESCO) کے

اندازے کے مطابق تمام دنیا میں بولی جانے والی 6809 زبانوں میں سے 53 فیصد کے سال 2100 تک ختم ہو جانے کا خطرہ ہے۔(۸۸) اِس "انسانی سوچ اور علم کے ذخیرے" کے خاتمے کے ساتھ وہ جینیاتی تنوع بھی کھو جائے گا جو اگر انسان کے علاوہ کسی دوسری نوع میں ہوتا تو ماہرینِ ماحولیات کو خوفزدہ کر دیتا۔

OOO

باب ششم

یوجی نکس کی تاریخ اور سیاست

1- یوجی نکس تحریک کی مختصر تاریخ

نباتات اور حیوانات کی افزائشِ نسل کے ابتدائی مراحل، انسانی ارتقاء میں شکار کرنے والوں کے دور کے خاتمے کا آغاز تھا۔ جہاں تک تحریری ثبوت کا تعلق ہے تو افلاطون کی ری پبلک(Republic) یوجی نکس پر ابتدائی نظریاتی مقالے کی حیثیت رکھتی ہے۔

جب ایک بار ڈارون کی 1859 میں شائع ہونے والی کتاب Origin of Species نے ارتقاء کا عمل اور فطرت کے وسیع نظام میں انسان کے مقام کا تعین کر دیا تو انسانوں کا اُس چیز میں شامل ہونا ناگزیر تھا جسے اُس وقت "نسلی" بہتری کہا جاتا تھا۔ اِس کے ساتھ ساتھ وہ جدید دنیا میں فطری انتخاب کے خاتمے کے جینیاتی اثرات کے بارے میں بھی فکرمند تھے۔ ڈارون خود ایک حقیقی سوشل ڈارونیت پسند بن گیا اور اُس نے افسوس کے ساتھ اِس حقیقت کا اظہار کیا کہ:

> ہم اخراج کے عمل کو روکنے کے لیے اپنی پوری کوشش کرتے ہیں۔ ہم ضعیف العقل، معذور اور بیماریوں کے لیے پناہ گاہیں بناتے ہیں، ہم کمزور قوانین بناتے ہیں اور ہمارے معالج آخری لمحے تک ہر کسی کی جان بچانے کے لیے حتی الامکان کوششیں کرتے ہیں۔۔۔غرضیکہ مہذب معاشروں کے کمزور افراد معاشرے میں اپنے جیسے دوسرے افراد پھیلاتے ہیں۔ جس کسی نے بھی جانوروں کی نسل کشی کی ہو، اُسے

> اِس بارے میں کسی قسم کا شک نہیں ہوتا کہ یہ نسلِ انسانی کے لیے بے حد مضر ہے۔(۸۹)

یہ ڈارون کے کزن، سر فرانسس گالٹن ہی تھے جنہوں نے 1883 میں اپنی کتاب Inquiries into Human Faculty میں "یوجی نکس" کا لفظ متعارف کروایا۔ اِس سے پہلے بھی انہوں نے Heriditary Genius(1869) اور English Men of Science: Their Nature and Nurture (1874) میں الگ نوعیت کا کام پیش کیا تھا۔ گالٹن ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے جڑواں بچوں کے مضمون کی اہمیت کو پہچانا۔ (اپنے زیادہ مشہور کزن کے برعکس) وہ اپنے دور کی لمارکیت کو رَد کرنے میں بھی درست ثابت ہوا جس کے مطابق حاصل شدہ خصوصیات اولاد میں منتقل کی جاسکتی تھیں۔

1907 میں لندن میں یوجی نکس سوسائٹی کی بنیاد رکھی گئی اور برطانوی اشرافیہ میں یوجی نکس کو بے حد حمایت حاصل ہوئی جن میں ہیولاک ایلس، سی پی سنو، ایچ جی ویلز اور جارج برنارڈ شا شامل تھے۔ جارج برنارڈ شا نے لکھا تھا کہ:

> "اِس حقیقت کو رَد کرنے کے لیے اب کوئی معقول عذر نہیں رہا کہ یوجی نکس کے علاوہ ہماری تہذیب کو اُس تقدیر سے کوئی نہیں بچا سکتا جس نے پچھلی تمام تہذیبوں کو اچانک جا لیا"۔(۹۰)

امریکہ میں بھی یہ تحریک بہت مضبوط رہی۔ 1870 میں رچرڈ ڈگڈیل نے جیوک فیملی کے بارے میں اپنا مشہور تجزیہ شائع کیا جس کے ذریعے اُس نے ایک ہی خاندان کے ماضی میں مجرمانہ ریکارڈ لکھنے والے 709 ممبران کے بارے میں معلوم کیا۔ 1880 تک کمزور ذہنوں کے مالک افراد کو متولی کی تحویل میں دینے کا قانون وسیع پیمانے پر متعارف کروایا گیا تاکہ وہ افزائشِ نسل سے باز رہیں اور صدی کے اختتام تک ایسے افراد کے بانجھ کاری (sterilization) کے کیس سامنے آئے۔ 1910 میں لانگ آئی لینڈ پر کولڈ سپرنگ ہاربر میں یوجی نکس ریکارڈ آفس کا قیام عمل میں آیا۔ الیگزینڈر گراہم بیل، جس کی شادی ایک بہری خاتون سے ہوئی تھی، سماعت سے محروم افراد کی باہمی افزائشِ نسل کے بارے میں متفکر تھا اور اُسے خوف تھا کہ اِس طرح کی انتخابی میٹنگ (selective mating) ایک بہری آبادی

کی تخلیق کی جانب لے جاسکتی ہے۔ وہ امریکن یوجی نکس تحریک کا نمایاں ممبر بن گیا۔

یوجی نکس تحریک کا اثر اُس کے ممبران کی تعداد سے حاصل نہیں کیا گیا۔ برطانیہ اور امریکہ دونوں میں اِس کے حمایتیوں کی تعداد محض ہزاروں میں تھی۔ اِسکے بجائے اِس تحریک کے اثر کی وضاحت ایک ممتاز شخصیت کی دولت اور اثر ورسوخ اور بد قسمتی سے اکثر اشرافیہ کے خاص گروپ کے ذریعے کی گئی۔

1910 کے بعد متعدد امریکی شہروں میں یوجی نکس سوسائٹیاں قائم کی جا چکی تھیں اور کئی امریکیوں نے 1912 میں لندن میں ہونے والی پہلی انٹرنیشنل یوجی نکس کانفرنس میں شرکت کی۔ دوسری اور تیسری بالترتیب 1921 اور 1932 میں نیویارک میں منعقد ہوئیں۔

جب پہلی جنگِ عظیم کا آغاز ہوا تو یوجی نکس کے حمایتیوں نے امریکی فوج کو ذہانت پر مبنی ٹیسٹنگ کی تیاری میں مدد کی اور انہوں نے جنگ کے بعد بڑے پیمانے پر اپنا عقیدہ تبدیل کیا۔ 1920 میں انہوں نے مختلف اداروں میں داخل کمزور ذہنوں کے مالک افراد کی تعداد تین گنا بڑھانے اور بڑی تعداد میں اداروں سے بڑھ کر تحفظ فراہم کئے جانے میں اہم کردار ادا کیا۔(۹۱) جہاں تک بانجھ کاری (sterilization) کا تعلق ہے تو عام تاثر کے برعکس یوجی نکس کے حمایتی اِس معاملے پر متحد نہ تھے۔ National Committee for Mental Hygiene اور Committee on Provision for the Feebleminded، دونوں ہی بانجھ کاری کے حمایتی تھے۔ اِس تذبذب کی ایک وجہ یہ تھی کہ یوجی نکس کے حمایتی ایسے سیدھے سادے افراد تھے جنہیں اِس بات کا خطرہ تھا کہ بانجھ کاری، جنسی رواجوں کو نرم کر دے گی۔ اِسی وجہ سے وہ یوجی نکس کو کثیر الازدواجی کے برش سے آلودہ نہ دیکھنا چاہتے تھے۔(۹۲)

1931 تک تیس ریاستیں کسی نہ کسی وقت پر بانجھ کاری سے متعلق قانون پاس کر چکی تھیں۔ اِس کے باوجود حقیقت میں ہونے والی بانجھ کاریوں کی تعداد قومی سطح پر معقول تھی۔ 1958 تک یہ صرف 60,926 تھی۔(۹۳) اِس کے مقابلے میں 1958 اور 1980 کے درمیان بیس ملین بانجھ کاریاں ہو رہی تھیں اور 1979 اور 1984 کے درمیان تیس ملین عورتیں اور دس ملین مردوں کی بانجھ کاری کی جا رہی تھی۔ اِن میں سے ایسے افراد کی تعداد غیر معینہ تھی جنہیں اِس کے لیے مجبور کیا گیا تھا۔(۹۴)

جرمنی کی آبدوزوں کی جنگ نے پہلی جنگِ عظیم کے دوران امریکہ میں نقل مکانی کرنے والوں کے لیے راستہ بند دیا تھا۔ 1924 میں کانگریس نقل مکانی کا قانون بناتے ہوئے یوجی نکس سے اِس قدر متاثر تھی کہ نقل مکانی کرنے والوں کی تعداد کو مجموعی طور پر ملک کی نسلی تشکیل کو ظاہر کرنے والا بنایا گیا۔ پہلی جولائی 1929 کو قومی بنیاد پر دیے جانے والے کوٹے کو امریکی امیگریشن پالیسی کی بنیاد بنایا گیا۔

اِس کے بعد کی یوجی نکس کی تاریخ کو اگلے چار ضمنی ابواب میں پیش کیا گیا ہے۔ یہاں ہم صرف اِس موضوع میں حالیہ بے حد دلچسپی کو نوٹ کر سکتے ہیں۔ ورلڈ وائیڈ ویب پر آن لائن کمپیوٹر لائبریری سنٹر (OCLC یا "ورلڈ کیٹ") پر سرچ کے نتیجے میں اِس موضوع پر 3200 شائع شدہ کتب سامنے آئیں۔ اِن میں سے چوراسی ایسی تھیں جو گالٹن کے اِس اصطلاح کو ایجاد کرنے سے قبل منظرِ عام پر آچکی تھیں:

یوجی نکس پر کتابوں سے متعلق OCLC سرچ

1883 سے قبل	84	1940 - 1949	243
1883 - 1889	14	1950 - 1959	128
1890 - 1899	23	1960 - 1969	138
1900 - 1909	124	1970 - 1979	146
1910 - 1919	536	1980 - 1989	230
1920 - 1929	419	1990 - 199	396
1930 - 1939	569	2000 - 2005	452

اگر 2005-2000 کی کتابوں کی سرچ میں بصری (visual) اور صوتی (sound) ریکارڈنگز بھی شامل کی جائیں تو یہ تعداد 610 ہو جاتی ہے جو کہ 1919-1910 کے عروج کے دور میں کتابوں کی سالانہ اوسط سے زیادہ ہے۔ جینیات کی سائنس کی انقلابی ترقی کو سامنے رکھتے ہوئے شرطیہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ رجحان ایک ابھرتے ہوئے خط کی نشاندہی کرتا ہے۔ انٹرنیٹ---ایک ایسا میڈیم جو 1919-1910 تک موجود نہ تھا--- پر جنوری

2006 میں بذریعۂ گوگل یوجی نکس سے متعلق ہونے والی سرچ نے 1,840,000 نتائج پیش کئے جبکہ اس کے برعکس اپریل 2004 میں یہ تعداد 231,000 تھی۔ غرضیکہ یوجی نکس سے متعلق یہ مقبول خیال کہ یہ پرانا تاریخی نظریہ ہے، مکمل طور پر غلط ہے۔

OOO

2- جرمنی

یوجی نکس کو اب عام طور پر ہولوکاسٹ کا نظریہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور اِس سے یہ بے حد بدنام بن جاتا ہے۔ جیوش اکیڈمی کا فلسفی اور صیہونی ممبر لیوسٹراس نے "reduction ad Hillerum" کا قول ایجاد کیا جس کے مطابق: ہٹلر یوجی نکس پر یقین رکھتا تھا۔ ایکس (x) یوجی نکس پر یقین رکھتا تھا، سو (x) نازی ہے۔(۹۵)

جرمنی میں یوجی نکس کی تاریخ پر بات کئے بغیر یوجی نک پلیٹ فارم پر بات کرنا ناممکن ہے۔ اِس کے لیے ہمیں 1933 سے 1945 کے دور سے بھی پہلے سے آغاز کرنا ہوگا۔

اُنیسویں صدی کے اواخر میں جرمنی کا اعلیٰ طبقہ سوشل ڈارونیت کی جانب مائل ہونے لگا۔۔ اور ایسا صرف جرمنی میں ہی نہ تھا۔۔۔ اِسکی دلیل وہ غیر متناسب دولت تھی جو انہوں نے اکٹھی کر لی تھی۔ سو جب 1893 میں الیگزینڈر رٹل نے یہ خیال پیش کیا تو یہ حیران کن نہ تھا کہ جن لوگوں کی پرورش اُس مقابلے کے شعور کے ساتھ کی جائے جسے ترقی حاصل کرنے کا طریقہ کار مانا جائے "اُنہیں سوشلسٹ ناقابلِ عمل خیالات کی جانب لانا مشکل ہوگا"۔(۹۶)

معاشی طبقے کے علاوہ، نسل ایک توہین آمیز اصطلاح تھی۔ حیوانوں میں انحطاط کے موضوع کو 1766 میں فرانسیسی فطرت پرست جارجز بفن (1778 - 1707) نے پیش کیا اور 1820 میں ہی یہ عام لوگوں کی توجہ کا مرکز بن چکا تھا۔ فرانسیسی کاؤنٹ جوزف دی گوبنی (1882-1816) نے اِس خیال کا اطلاق انسانوں پر کر کے اِسے مزید آگے بڑھایا اور ایک ایسی آریائی نسل کے وجود کو فرض کیا جو مفروضہ طور پر "ناروی" نسل کی بنیاد بنی۔ اُس کے مطابق بقیہ آریائی گروپ شمالی جرمنی اور انگلینڈ میں جا بسے۔ گوبنی نے کہا کہ ناروی نسل کی

دوسری نسل کے ساتھ باہمی نسل کشی انحطاط کا موٴجب بن سکتی تھی۔ گوبنی جرمنی میں سب سے زیادہ مقبول ہوا۔(۹۷)

1895 میں جرمن شوقین ماہرِ بشریات اوٹو ایمون نے "خالص اصل نسل کی قوم کا کسی حد تک کالی اور بڑے سروں (چہروں) والی نسل اور گول شکلوں والی نسل کا کسی حد تک گوری نسل کے ساتھ "نسل کشی کی حقیقت کا پرچار کیا۔ "تمام درمیانی اقسام (کی نسلیں) بڑی کامیابیوں میں شامل نہیں ہیں بلکہ یہ زندہ رہنے کی جدوجہد کے لیے دے دی گئیں کیونکہ وہ بہتر (نسل) پیدا کرنے کے لیے ناگزیر ضمنی پیداوار کی حیثیت سے تخلیق کی گئی تھیں"۔ جرمن ڈاکٹروں کا ایک نسبتاً چھوٹا گروپ، جن میں سے چند افراد ایک دوسرے سے رشتۂ زوجیت کی وجہ سے تعلق رکھتے تھے، گالٹن کی یوجی نکس اور انحطاط (کے نکات) سے متعارف ہوئے لیکن انہوں نے اِسے بائیں بازو والے نقطۂ نظر سے دیکھا۔ جرمن یوجی نکس کا بانی الفریڈ پلوئٹز (1940-1860) ایک سوشلسٹ تھا۔ 1891 میں وِلہیلم شالمئیر (1919-1857) نے مختلف جنسوں کے انحطاط کے بارے میں ایک بروشر شائع کیا لیکن جہاں گالٹن کی دلچسپی زیادہ تر شعوری صلاحیتوں میں تھی وہاں شالمئیر کی توجہ کا مرکز جسمانی انحطاط تھا۔ شالمئیر نے کہا کہ ڈارون نے ارتقاء کی سبھی فطرت کو دریافت کر کے اِس عمل کو قابلِ انتظام بنا دیا تھا۔ شالمئیر، گوبنی کے نسلی نظریات کا مخالف تھا۔ الفریڈ گروجن (1931-1869) نے اُس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ جینیاتی انحطاط کا خطرہ موجود تھا اور اُس نے انحطاط کے اِس نظریے کو اِس مسئلے کے "علاج" کے عمل میں اہم قدم قرار دیا۔

جرمن سوسائٹی فار ریشل ہائجین (German Soceity for Racial Hygiene) کا مقالہ جسے 1914 میں اختیار کیا گیا، گوبنی کے نظریات سے بالکل متضاد تھا اور اُس میں طبقے یا نسل کا کسی قسم کا ذکر نہ تھا۔("نسل کُشی" کا لفظ 1895 میں پلوئٹز نے یوجی نکس کے متبادل نام کے طور پر ایجاد کیا تھا۔ اِس کا استعمال اِس لحاظ سے افسوس ناک ہے کہ اِسے مجموعی طور پر نسلِ انسانی کے بجائے انفرادی نسلوں کے حوالے سے استعمال کر کے غلط معنی دیئے جاتے ہیں)۔ اِس مقالے میں اِن چیزوں کی درخواست کی گئی تھی:

خاندان کے لیے مفید گھر مہیا کرنا؛ ایسے عناصر کا خاتمہ جو چند مردانہ

پیشوں کے ممبران کے لیے بچے پیدا کرنے میں رکاوٹ بنیں؛ الکوحل اور تمباکو پر ٹیکس کی شرح میں اضافہ؛ علاج کے لیے درکار اسقاطِ حمل کو قانونی طور پر کنٹرول کیا جانا؛ اُس چیز کا مقابلہ کرنا جسے اُس زمانے میں موروثی طور پر گنوریا، آتشک، ٹی بی اور کام کے دوران لگ جانے والی بیماریوں کی منتقلی کا سبب سمجھا جاتا تھا؛ شادی سے قبل لازمی طور پر صحت سے متعلق سرٹیفیکیٹ دیا جانا؛ اور ایسے ادبی اور آرٹس کے نمونوں پر انعام دیا جانا جس میں خاندانی زندگی کی تعریف کی گئی ہو۔ نوجوانوں سے معاشرے کی فلاح کے لیے قربانی دینے کے لیے تیار رہنے کی درخواست کی گئی۔(۹۸)

1920 تک یوجی نکس، ماہرین کے مختصر سے گروپ سے ہٹ کر قومی بحث کا موضوع بن چکی تھی۔ سوسائٹی کا 1931/32 کے مقالے نے ایک بار پھر وراثت کی اہمیت پر زور دیا، اِس نے انحطاط سے آگاہ کیا اور خاندان کی اہمیت پر زور دیا جس کے لیے زیادہ شرح پیدائش اور خاندانوں کے لیے ٹیکس میں چھوٹ کی رعایت دینے کے لیے کہا گیا پروفیشنل ٹریننگ کے طویل دورانیوں کو زرخیزی کو کمزور کرنے کا سبب کہا گیا، جینیاتی مشاورت کی سفارش کی گئی؛ نسل کشی کے لیے ایسے افراد کی حوصلہ شکنی کی گئی جن کا کسی جینیاتی بیماری میں لاحق ہونے کا خطرہ ہو اور نوجوانوں کو اپنی اولاد کی یوجی نکس تربیت کے لیے ہدایات دی گئیں۔(۹۹) ایک بار پھر نسل کا کوئی ذکر نہ کیا گیا۔

اُنیسویں صدی کے سوشل ڈارونیت پسندوں نے جنگ کو کمزوروں کو الگ کرنے کے لیے ویسا ہی مضبوط عمل قرار دیا جیسے معاشی مسابقت (مقابلہ آبادی) کو قابلیت کے لحاظ سے طبقات میں تقسیم کرتا ہے۔ جیسے جیسے جنگِ عظیم طول پکڑتی گئی' یوجی نکس کے حمایتی اِسے "counter-selectionary (انتخاب مخالف)" قرار دیتے دکھائی دینے لگے۔

پہلی جنگِ عظیم سے قبل جرمنی میں آبادی کے بے حد بڑھ جانے کا حقیقی خطرہ موجود تھا۔ جرمنی کی آبادی 1880 میں 45 ملین سے بڑھ کر پہلی جنگِ عظیم کے خاتمے تک 67 ملین ہو چکی تھی۔ صرف 1919-1918 کے دوران اموات کی تعداد، پیدا ہونے والوں کی تعداد سے

زیادہ تھی۔ (۱۰۰) آبادی کے کم ہونے کا نیا خطرہ، منفی یوجی نکس کا پروپیگنڈہ پھیلانے میں رکاوٹ بنا۔ لیکن "نسل کُشی" نے اِس بنیاد پر مالتھوسیوں پر حملہ کیا کہ آبادی کے زیادہ پسندیدہ عناصر ہی پابندیوں پر توجہ دیں گے اور یہ کہ یہ نامناسب ایثاریت پسندی، فتورِ نسلی ثابت ہوسکتی ہے۔ وہ اِس بات کے بارے میں بھی فکر مند تھے کہ آبادی کا انحطاط، "ناروی نسل" کیلیے وجودیاتی خطرہ ثابت ہوسکتا ہے۔ نسلی برتری کے نظریات کے سیاق وسباق میں، نسلی افزائشِ نسل کو "برترنسل" کے افراد کے لیے ایک قسم کی خودکشی سمجھا جاسکتا ہے۔

اِس کے باوجود یہ وہ چیز نہیں ہے جس کے بارے میں اصل میں اڈولف ہٹلر فکر مند تھا۔ 1920 میں اُس نے 25 نکات کی ایک فہرست پیش کی جن میں سے ایک بھی یوجی نکس سے متعلق نہ تھا۔ حتیٰ کہ "یوجی نکس" کا لفظ Mein Kampf کبھی سامنے نہیں آیا۔

نیشنل سوشلسٹ گورنمنٹ میں یوجی نکس کے کردار کو بہترین انداز میں سمجھنے کے لیے اور میرے جرمن یوجی نکس کے تجزیے کو محدود سیاق وسباق تک محدود نہ کرنے کے لیے میں نے اِس موضوع پر پہلے سو (100) ایسی کتابیں منتخب کیں جو وائمر اور نازی ادوار سے متعلق تھیں جن میں ایسی فہرستیں شامل تھیں جو نہ صرف موزوں ناموں بلکہ موضوعات کا بھی احاطہ کرتی ہیں۔ میں نے پہلے سے انتخاب کرنے کی کوئی کوشش نہ کی تھی سوائے اِس کے کہ ایسی کتابوں کا چناؤ کیا جو اُس دور سے متعلق تھیں۔ اِن تمام سو کتابوں کی فہرست دوسرے ضمیمے میں دی گئی ہے۔ یہ ایک ایسا تجربہ ہے جسے کوئی بھی ایسا شخص دہرا سکتا ہے جس کے پاس کسی شام فالتو وقت اور کسی سنجیدہ لائبریری تک رسائی ہو تو وہ اُس میں سے اپنی پسند کی کتابیں منتخب کرسکتا/سکتی ہے۔

اِن کتابوں کے مصنفین میں نازی تصور پرستوں سے لے کر جانے پہچانے مغربی سکالرز شامل ہیں۔ کتابوں کی اِس فہرست میں سے چھیانوے میں "یوجی نکس" کا لفظ موجود نہیں ہے اور بقیہ چار کتب جن میں اِس کا ذکر موجود ہے، اُن میں بھی چند ایک جگہ اِس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ Mein Kampf اور ہٹلر کی تقاریر کی فہرست میں بھی یوجی نکس کو ایک موضوع کے طور پر نہیں درج کیا گیا گو کہ اِن میں نسل سے متعلق لاتعداد حوالے موجود ہیں۔ بلاشبہ یوجی نکس وہ طاقتور نظریاتی موٹر نہ تھی جیسا کہ اِس کے بارے میں کہا جاتا ہے۔

اِس کے باوجود ہٹلر نے اِس کے بارے میں سن رکھا تھا اور بالآخر وہ اِسے۔۔۔ قبول کرتے ہوئے۔۔۔ اپنے سوشل ڈارونیت اور ایک پراسرار "ناروی" یا" آریائی" نسل کے خیالات کا ایک حصہ ماننے لگا۔ اور یہ گوبنی کے خیالات کے مطابق تھا (جس کا ذکر Mein Kampf میں کبھی نہ کیا گیا)۔ یہ روحانیت اور تصوف کے سہارے پر قائم واضح قبائلیت کا معاملہ تھا جو بالآخر جڑی بوٹیوں کی تلاش میں ہمالیہ کے پہاڑی سلسلوں میں مہموں اور جرمن پاگان حروف اور نشانات کے نمایاں استعمال کی صورت سامنے آیا۔

گو کہ ہٹلر موروثیت کا کٹر ماننے والا تھا، لیکن وہ عقیدۂ نجاتِ کل کا مخالف بھی تھا جو خالص ناروی نسل کی پیداوار کو جینیاتی انتخاب کا حتمی مقصد مانتا تھا۔ نسلِ انسانی کی ترقی کو تعاون کا معاملہ سمجھنے کے بجائے وہ مسابقت کے نظریے پر یقین رکھتا تھا۔ دوسرے لوگوں کی جانب سے ظاہر کی جانے والی صلاحیتیں اُس کے لیے منفی مظہر تھیں جو اُس گروپ کے لیے خطرہ پیش کرتی تھیں جن پر وہ غالب ہونا چاہتا تھا۔ عقیدۂ نجاتِ کل کی مخالف اقدار کا یہ نظام، اقدار کے ایسے نظام کو بیان کرتا تھا جو بے حد بنیادی لحاظ سے یوجینک مخالف تھا۔

یوجی نکس کے چند جرمن حمایتی، حکومت کے "نسل کُشی" کے نظریے کے خلاف تھے۔ Hans Nachtsheim، عمداً تطہیر کاری کا حامی اور جرمنی کا ممتاز ماہرِ جینیات تھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے پر وہ نازیوں کے نسل کے خیالات کی مستقل تردید کرتا رہا۔ حتیٰ کہ نازی دور میں غالباً سب سے زیادہ بارسوخ جرمن ماہرِ جینیات فرٹز لینز نے صیہونیت مخالف نظریات کی مخالفت کی۔ ماہرِ حیاتیات اور یوجی نکس پروفیسر والٹر Sheidt نے جرمن یونیورسٹیوں میں پڑھائی جانے والی "نسلی بائیولوجی" کی غیر سائنسی فطرت کی کھلم کھلا ملامت کی۔ ویانا کے ڈاکٹر جولیس بوئر نے نازیوں کے نسل کے نظریے کو "خیالی تصور" قرار دے کر رَد کیا، اُس نے اِس کے ذریعے مقصد کو پہنچنے والے نقصان کی تلخی سے شکایت کی۔ آسٹریا سے تعلق رکھنے والے ساتھی ڈاکٹر اور یوجی نکس کے حمایتی فیلکس Tietze نے نازیوں کے "خون کی حفاظت" کے قانون کی مذمت کی۔ ماہرِ حیاتیات اور ماہرِ یوجی نکس جولیکس شیکسل نے نازیوں کی جانب سے یوجی نکس کے استحصال کے خلاف احتجاج کیا اور وہ حقیقت میں سوویت یونین ہجرت کر گیا۔ رینز فیشر اور سابق کیتھولک پادری ہرمین مکرمین کو زندگی سے متعلق اُن کے

خیالات کی وجہ سے اُن کے عہدوں سے دستبردار کر دیا گیا کیونکہ وہ نازیوں کے نظریات کے مخالف تھے۔ ریڈ آرمی سے رابطے کی کوشش میں فیشر کو SS نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔(۱۰۱)

دوسرے ملکوں میں یوجی نکس کے حامیوں نے ہٹلر کے صیہونیت مخالف نظریے اور نسل پرستی کی واضح تردید کی۔ 1939 میں ایڈون برگ میں منعقد ہونے والی انٹرنیشنل یوجی نکس کانفرنس میں برطانوی اور امریکی ماہرینِ جینیات نے جرمنی میں یوجی نکس کی نسل پرست تشریح پر تنقید کی۔ اُسی سال امریکہ اور انگلینڈ میں واضح طور اس بات کی تردید کی گئی کہ "نسلی تعصّبات اور یہ غیر سائنسی نظریہ کے اچھے اور برے جین، مخصوص لوگوں کی اجارہ داری ہوتے ہیں"۔(دیکھئے ضمیمہ اول)

لیکن نیشنل سوشلسٹ حکومت نے سائنسی اداروں کا کنٹرول سنبھال لیا اور جرمن یونیورسٹیوں میں "نسل کُشی" کیلیے کئی عہدوں کے لیے فنڈز فراہم کئے تاکہ یوجی نکس کے حامی ایکدم سے دن میں خواب دیکھنے والے معاشرتی اصلاح کاروں کے گروپ کو پیچھے چھوڑ جانے اور یوجی نکس اصلاحات لاگو کرنے کی ترغیب اپنے سامنے پائیں۔

Otto von Verschuer ماہرِ یوجی نکس تھا جو نازی جرائم کا idealogue بنا۔ 1938 میں اُس کا "The Racial Biology of Jews" نامی مضمون ہیمبرگ میں سامنے آیا وہ اُن پچاس مضامین میں سے ایک تھا جو Forschungen ur Judengrage (Studies on the Jewish Question) نامی کتاب کی چھ جلدوں میں شائع کئے گئے۔ اِس تحقیق کو نیشنل سوشلسٹ حکومت کی جانب سے مالی امداد فراہم کی گئی۔

یہ مضمون وسطی یورپی یہودیوں اور جرمنوں کے درمیان جسمانی فرق کو بیان کرتا ہے۔ Verschuer اِس حیران کن مظہر کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ کوئی نسلی گروہ، کسی علاقے کے بغیر اپنے آپ کو دوسو سال تک باقی رکھ سکتا ہے۔ پھر وہ درست طور یہ کہتا ہے کہ اُس نے جن تضادات کو بیان کیا ہے وہ اِن میں سے کسی گروپ پر مکمل طور پر نہیں ہوتے بلکہ یہ دو گروپوں کے درمیان زیادہ تر پائے جانے والے متعلقہ تضادات (فریکونسی) کا معاملہ ہیں۔

مضمون کو سائنسی رنگ دینے کے لیے کافی کوششیں کی گئیں جن میں فنگر پرنٹس، خون کے گروپوں اور مخصوص بیماریوں کا شکار ہونے کے امکانات جیسی خصوصیات شامل کی گئی

ہیں۔۔۔جو تمام کی تمام فزیکل ماہرِ بشریات کے سامنے مکمل جائز سوال پیش کرتی ہیں۔۔۔اِس کے باوجود وہ سائنس کے لبادے میں نسل کی بنیاد پر پائی جانے والی نفرت پر ایک مرضیاتی دستاویز پیش کرتا ہے۔ ہمیں Verschuer سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کی خمدار ناک، فربہ ہونٹ، سرخی مائل ہلکی زرد پھیکی جلد اور پیچدار بال ہوتے ہیں۔ اُن کی چال خفیہ اور "نسلی لہجہ" ہوتا ہے۔ اِس کے بعد Verschuer "مرضیاتی نسلی خصوصیات" پر بات کرتا ہے۔ وہ اعلیٰ شعور اور نسبتاً کم شرح پیدائش کو تسلیم کرتا ہے لیکن مضمون کے اختتام پر اُس کی نفرت عیاں ہو جاتی ہے:

> میرے نزدیک صرف چند مخصوص قسم کے لوگ ہی صیہونیت کی جانب راغب ہوتے اور اُسے اختیار کرنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں بالخصوص ایسے افراد جو اپنی عقلی اور نفسیاتی ساخت کی بنا پر اپنے آپ کو صیہونیت کے قریب محسوس کرتے ہیں (بہت کم ہی یہ طبعی وجوہات ہو سکتی ہیں)۔ اِس لحاظ سے، جو عنصر یہود میں نفوذ ہو گیا تھا وہ "اجنبی" نہ تھا۔(۱۰۲)

اِسکے بعد Verschuer یہ اخذ کرتا ہے کہ جرمن اور یہودیوں کو ایکدوسرے سے جدا رہنے کی مکمل ضرورت ہے۔ یہ وہی نظریہ تھا جس کا خاکہ Mein Kampf میں پیش کیا گیا تھا۔ اُس کا مصنف کہتا ہے کہ "سب سے اعلیٰ انسانی حق اور ذمہ داری، خون کی پاکیزگی کو قائم رکھنا ہے"۔(۱۰۳) اِس بنیادی کام کے پورا ہو جانے کے بعد، Verschuer "آتشک، ٹی بی اور جینیاتی معذوریوں کے حامل افراد، معذوروں اور کریٹن میں مبتلا افراد" کے بچے پیدا کرنے کے خلاف لڑنے پر اصرار کرتا ہے۔ یعنی وہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ دوسرے ایسے گروپوں کے ساتھ نسل کشی کو روکنے کے بارے میں فکرمند ہے جو ایسی معذوری میں مبتلا ہوں جو موروثی یا غیر موروثی ہو۔

گو کہ Verschuer نے اپنے مضمون میں کہیں بھی "یوجی نکس" کا لفظ استعمال نہیں کیا لیکن وہ اپنی دلیل کو بنیادی طور پر "یوجینک" ہی مانتا تھا۔ کیونکہ بہرحال یہ نفرت سے بھرپور کسی ایسے شخص کے لیے بے حد سہل تھا کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ اُسکے دلائل جذبات کے بجائے سائنسی فکر کی پیداوار تھے۔ یہ سچ ہے کہ وہ یہودیوں کے استحصال کا مطالبہ نہیں کرتا لیکن اُ

سکے دلائل کا سلسلہ ایسا کرنے کے بے حد قریب ہے۔ Verschuer í جوزف مینگیل کا استاد تھا جو جڑواں بچوں پر ہونے والی تحقیق میں گہری دلچسپی رکھتا تھا۔

غالبًا کائنات میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جسے برائی کی خاطر بگاڑا، مسخ اور استعمال نہ کیا جا سکتا ہو۔ سائنس کے غلط استعمال کا خطرہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گا۔ یہ بات اور بھی مایوس کن ہے کہ بیمار ذہن اور غیر معقول موقع پرستی کی اِس پیداوار کا ایسے مترجم نے ترجمہ اور تقسیم کیا ہے جو اپنے نام کے ساتھ پی ایچ ڈی لگاتا ہے۔

Verschuer کی Manual on Eugenics and Human Hertedity، 1943 میں فرانسیسی ترجمے کے ساتھ فرانس کے اُس حصے میں شائع کی گئی جو جرمنی کے قبضے میں تھا۔ دیباچے پر اُس کے دستخط کی تاریخ 1941 کے موسمِ گرما کی ہے۔ کتاب کا زیادہ تر حصہ موروثیت کے اُن حقائق سے متعلق ہے جو اُس دور میں معلوم تھے، جیسے معیاری انحراف (variance) کی شماریاتی ڈسٹری بیوشن وغیرہ اور یہ انسانی جینیات پر مقبولِ عام کتاب تھی۔ وہ اُس میں لکھتا ہے کہ ممتاز ماہرینِ یوجی نکس ارون بوئر، یوجین فشر اور فرٹز لینز، سب نے اِس مسودے کو پڑھا اور تجاویز پیش کیں۔(۱۰۴) بلاشبہ اِس دستاویز کو اُن کے لیے قابلِ قبول بنانے کے لیے اُس نے مضمون کا ابتدائی سازشی صیہونیت مخالف حصہ اُن کی نظر سے بچا کر کہا کہ " گالٹن کی یوجی نکس اور پلوئز کی نسل کُشی مکمل طور پر متن اور مقصد کے مطابق تھی"۔(۱۰۵) اُس نے گوبنی کے Essai sur l’inégalité des races humaines کی بھی تعریف کی۔ ڈارون، مینڈل اور کارل پیئرسن کی بھی یوجینک سوچ کا آغاز کرنے والوں کی حیثیت سے تعریف کی گئی۔

نیشنل سوشلزم کے تحت یوجی نکس پر تین بنیادی الزامات عائد کئے جاتے ہیں (الف) جولائی 1933 کا تطہیر کاری (sterilization) کا قانون (ب) ستمبر 1939 کا سہل مرگی کا پروگرام (ج) یہودیوں اور خانہ بدوشوں کو ایذا رسانی اور جنگ کے خاتمے پر اُن کا بڑے پیمانے پر قتلِ عام۔ آیئے اِن میں سے ہر ایک کو بالترتیب تفصیل سے دیکھتے ہیں:

> 1932 میں پرشین گورنمنٹل کونسل کی جانب سے ہر ایک بل پیش کیا گیا۔۔۔ یہ ہٹلر کے طاقت میں آنے سے قبل کی بات ہے۔۔۔ تاکہ موروثی

> بیماریوں کے کیسز میں منتخبہ تطہیر کاری کے لیے بنیاد بنائی جا سکے۔ گو کہ بیس سال سے تطہیر کاری پر بحث جاری تھی لیکن مقننہ نے جرمنی کے ممتاز ماہرینِ یوجی نکس کو حیران کر دیا جو کہ اِسے جینیاتی بہتری کے سلسلے میں رکاوٹ اور ناکارہ مان کر اِس پر تنقید کرتے تھے۔(۱۰۶) 14 جولائی 1933 میں جرمن پارلیمنٹ نے ایک قانون پاس کیا جس پر 1934 میں عملدرآمد ہوا لیکن اب یہ متعلقہ شخص کی مرضی کے بغیر تطہیر کاری کی اجازت دیتا تھا بالخصوص ایسے افراد کی سرجیکل تطہیر کاری جن کی اولادوں میں جسمانی یا ذہنی بیماری پائے جانے، موروثی طور پر کمزور ذہنوں، شیزوفرینیا، جنونِ افسردگی، موروثی لحاظ سے منتقل ہونے والی مرگی، ہنٹنگٹن کی بیماری، موروثی اندھا پن، بہرہ پن اور شدید جسمانی کمزوریوں کے علاوہ شراب نوشی پائے جانے کے بہت زیادہ امکانات ہوں۔(۱۰۷) نسل کا کوئی ذکر نہ کیا گیا۔ 1934 سے 1939 تک تقریباً 300,000 سے 350,000افراد کی بانجھ کاری کی گئی۔(۱۰۸) جن میں سے زیادہ تر کمزور ذہنوں کے ساتھ شیزوفرینیا کے شکار افراد شامل تھے۔ اُس وقت یہ عمل کچھ یورپی ممالک اور امریکہ میں بھی جاری تھا گو کہ وہاں اِس سے چھوٹے پیمانے پر تھا۔(۱۰۹) اِس بحث میں یوجی نکس کے خیالات نے کوئی اہم کردار ادا نہ کیا۔ اِس کے برعکس جرمن قانون دانوں نے گمراہ کردہ طریقے پر بانجھ کاری کو فلاح کا سستا متبادل سمجھا۔(۱۱۰) کیتھولک چرچ اِس عمل کا مخالف جبکہ پروٹسٹنٹ چرچ حامی تھا۔(۱۱۱)

سہل مرگی پر بحث کا آغاز، 1920 میں کارل بائنڈنگ اور الفریڈ ہوچ کی کتاب Legalizing the Destruction Life Not Worth Living سے ہوا۔ مصنفین میں سے ایک وکیل اور دوسرا ڈاکٹر تھا جنہوں نے ایک سخت معاشی دلیل پیش کی۔ گو کہ بانجھ کاری کے قانون کے معاملے میں بیرونی یوجینک کیس بنایا جا سکتا تھا لیکن سہل مرگی کے معاملے کا یوجی نکس سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ ایسے افراد جو اداراتی طور پر جدا تھے اور کئی معاملات

میں اُن کی بانجھ کاری بھی کی جا چکی تھی، وہ افزائشِ نسل نہ کر سکتے تھے۔ جرمن ماہرینِ یو.جی نکس کے کارناموں میں سے ایک یہ تھا کہ انہوں نے سہل مرگی کی تجاویز پر شدید تنقید کی۔ مثال کے طور پر 1926 میں ماہرِ یو.جی نکس کارل ایچ بائر نے کہا کہ اگر لوگوں کو مارنے کے لیے انتخاب کو بطور اصول استعمال کیا جائے "تو پھر ہم سب کو مرنا ہوگا"؛ 1931 میں ماہرِ یو.جی نکس ہینز لکسنبر گر نے "انفرادی شخص کی زندگی کے لیے غیر مشروط عزت " کی درخواست کی۔ 1933 میں ماہرِ یو.جی نکس لوتھر لو ایلفر نے نہ صرف سہل مرگی بلکہ یو.جی نکس کے لحاظ سے نشاندہی کی جانے والی اسقاطِ حمل کی بھی مخالفت کی :"ہم حق بجانب طور پر سہل مرگی اور نہ گزارے جانے کے قابل زندگی کو ختم کرنے کی نفی کرتے ہیں"۔(۱۱۲) لیکن ہٹلر نے اداروں میں داخل افراد کو "ناکارہ کھانے والے" قرار دیا جو ہسپتال کے سٹاف کا وقت برباد کرتے تھے اور بے کار مقصد کے تحت بیڈز پر قبضہ کر لیتے تھے۔(۱۱۳) جب ستمبر 1939 میں اُس نے قومی سہل مرگی کے پروگرام کے آغاز کے لیے خفیہ حکم جاری کیا تو ایسا اُس نے خاص طور پر ہسپتال کے اُن 800,000 بیڈز کو خالی کرانے کے لیے کیا جو جنگ کے ممکنہ زخمیوں کے لیے درکار ہو سکتے تھے۔(۱۱۴)

بڑی تعداد میں یہودیوں کا قتل ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ لیکن یو.جی نکس کی تحریک کو اِس ہولوکاسٹ کا نظریاتی محرک قرار دینا درست نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہٹلر کسی حد تک یو.جی نکس پر اروِن بائر، یوجین فشر اور فرٹز کینز کا مینوئل تھا لیکن وہ اِس وجہ سے یہودیوں سے نفرت نہ کرتا تھا کہ یو.جی نکس کے ماہرین نے اُسے یہودیوں کو شعوری لحاظ سے کم تر سمجھنا سکھایا تھا۔(۱۱۵) اِس کے برعکس وہ انہیں نیلی آنکھیں اور سنہرے بالوں والی اُس نسل کا طاقتور حریف سمجھتا تھا جنہیں فتح کرنے کی وہ تجویز پیش کرتا تھا۔ پہلی جنگِ عظیم میں یہودیوں پر جرمنی کی شکست اور ورسیلز کے معاہدے کو پورا نہ کرنے کا الزام دھرا گیا۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ دوسری جنگِ عظیم کی شکل میں جرمنی کو ایک اور شکست کا سامنا تھا تو انتقام ایک عام شئے بن گئی۔ جہاں تک خانہ بدوشوں اور سلاویوں کا تعلق تھا تو اول الذکر کا مکمل طور پر صفایا اور آخر الذکر کے ساتھ کسی کم تر قبیلے سے پکڑے جانے والے غلاموں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ جنگ کے آخری دور میں یہودیوں، خانہ بدوشوں اور کئی سلاویوں کا بڑے پیمانے پر قتلِ عام، مکمل طور پر خفیہ رکھا

گیا۔ جرمن ماہرینِ یو.جی نکس کی کمیونٹی نے ہولوکاسٹ کا مطالبہ کیا تھا۔

اِس کے باوجود یہ بات بھی اتنی ہی ناقابلِ تردید ہے کہ ایسے بھی جرمن ماہرینِ یو.جی نکس تھے جنہوں نے خود کو حکومت کا ساتھ دینے کی اجازت دی اور جنہوں نے دوسرے نسلی گروپوں سے نفرت کی پالیسیوں کو قانون بنانے کے لیے فضا سازگار کرنے میں مدد کی۔ عالمگیریت کے بجائے نسل کی بنیاد پر بے جا حمایت کا ساتھ دے کر انہوں نے نہ صرف نازی مظالم کے مخصوص شکاروں بلکہ اپنی ذاتی اقدار اور عقائد کو بھی نقصان پہنچایا۔

عقل کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں آئیڈیلزم / تصوریت نے تباہ کن صورتیں اختیار کیں۔ عیسائیت اور سوشلزم کو ہمیشہ کے لیے احتساب اور Gulag کی ذمہ داری لینی ہوگی۔ یوجنیکس، ہولوکاسٹ کا نظریہ نہیں ہے، لیکن ایک مخصوص ملک میں اِس کے حامیوں کا مختصر سا گروپ' سازش کا مجرم تھا۔ ایک ایسا گروپ جو عصرِ حاضر کی جینیات کے بدلتے ماحول میں سکڑ کر مزید مختصر ہو چکا ہے۔ اِس کے باوجود یہ (یو.جی نکس) نیشنل سوشلزم کے پیچھے کارفرما وہ محرک نہ تھا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ اِس کے برعکس یو.جی نکس وہ دلیل تھی جسے نازی حکومت، تحریک کے لیڈروں کے واضح اعتراضات کے باوجود آسانی سے مسخ کر سکتی تھی۔

OOO

یاد رکھو،
دائیں جانب رکھے جانے والے ہر قدم
کا آغاز بائیں پیر/قدم سے ہوتا ہے

Aleksander Galich (Ginzburg)

3- دائیں اور بائیں سمت

اگرچہ سوشل ڈارونیت اور عدم مداخلت کے حامل سرمایہ دارانہ نظام میں واضح تعلق موجود تھا، لیکن درحقیقت یوجی نکس پر بحث پورے یورپ اور امریکہ میں طبقاتی اور سیاسی صفوں کو ایک ہی طرح متاثر کرتی تھی اور اِس تحریک کا تعلق خصوصاً سیاست کے دائیں بازو سے جوڑنا تاریخی لحاظ سے درست نہیں ہے۔ اُنیسویں صدی کے بے لگام سرمایہ دارانہ نظام کی بے اعتدالی سے راہِ فرار کی تلاش میں یہ ابھر کر سامنے آئی یہاں تک کہ جب انگلینڈ میں ہربرٹ سپنسر اور امریکہ میں گراہم سمنر نے اُس دور کی کثیر معاشرتی ناہمواریوں کی حمایت کا آغاز کیا، تب بائیں بازو کے لوگ فطری انتخاب کو ترک نہ کرنے والے تھے اور سوشلزم کے حامیوں کو دونوں نقطہ ہائے نظر میں کوئی فطری تضاد نظر نہ آتا تھا۔ مارکس اور اینجل خود ڈارونیت کے سرگرم حامی تھے کیونکہ اُن کے خیال میں ارتقاء اور کمیونزم ایسی باہمی تکمیلی سائنسیں تھیں جو۔۔۔بائیولوجی اور معاشرتی تفاعل کے۔۔۔متعلقہ لیکن مختلف موضوعات سے تعلق رکھتی تھیں۔ خود ولادمیر لینن نے اِس دعوے کا تمسخر اڑایا کہ صلاحیت کے اعتبار سے انسان ایک سے ہوتے ہیں۔(۱۱۶) گالٹن کا اہم شاگرد اور برطانوی یوجی نکس تحریک کا لیڈر کارل پیٹرسن سڈنی ویب کی طرح ایک فیبونی اشتراکی تھا جس نے 1890 کے متاثر کن Fabian Essays میں ایک مضمون لکھا تھا۔ ابتدائی سوویت سٹیٹ میں جینیات نے یوجی نکس کی طرز پر اشتراکیت کا تجربہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔

جرمنی میں ہٹلر کے اقتدار میں آنے سے قبل ایک بااثر "وائمر یوجی نکس" تھی، جس میں یوجی نکس اور اشتراکیت کو باہمی طور پر تکمیلی مانا جاتا تھا۔۔۔یہ ایک ایسی ہم زیستی /باہمی

تعلق تھا جسے آج بھی بائیں بازو کے حامی آسانی سے سمجھ نہیں پاتے۔(۱۱۷) جرمن یوجی نکس کا بانی" کارل پلوئٹز" ایک اشتراکی تھا جس نے چار سال امریکہ میں اشتراکی بین جرمن کالونی قائم کرنے کے امکانات کی کھوج لگانے کے لیے گزارے تھے۔آسٹرین تحریکِ نسواں کی حامی اور اشتراکی صحافی اوڈا اولبرگ، جو نازی دور میں جلاوطن رہی، ولہیلم شالمیئر کے خیالات میں بے حد دلچسپی رکھتی تھی' نے یوجی نکس اور اشتراکیت کو یکجا کرنے کی کوشش کی اور وہ نسل پرستی کی تمام اقسام کی شدید مخالفت کرتا تھا۔ شالمیئر کے مداحوں میں ایک اور نام ایڈورڈ ڈیوڈ کا تھا جو سوشلسٹ ڈیموکریٹ ریویژنزم کے لیڈروں میں سے ایک تھا۔ جرمن کمیونسٹ پارٹی کی میونخ کی شاخ کے سربراہ میکس لیوین نے لکھا کہ یوجی نکس، تکنیکی ترقی کے فعل کی حیثیت سے نسلِ انسانی کی ترقی میں کردار ادا کرے گی۔ ایک اشتراکی ڈھانچے میں رہتے ہوئے الفریڈ Grotijahn نے جینیاتی لحاظ سے نااہل افراد کی شرحِ پیدائش کو کم کرنے کی کوششوں کی حمایت کی اور بااثر اشتراکی نظریہ ساز کارل کاٹسکی نے انحطاط کو for granted لیا۔ یہاں تک کہ سوشل ڈیموکریٹ پارٹی میں یوجی نکس کی حمایت کرنے والوں کا ایک بڑا گروہ موجود تھا۔

یوجی نکس کے عروج کے دنوں میں، ماہرِ جینیات ایچ جے مُلر نے دلیل دی کہ سرمایہ دارانہ معاشرے کی سہولیات اکثر کم اہل لوگوں کی حمایت کرتی ہیں اور یہ کہ معاشرے " کو مزید لینن اور نیوٹن پیدا کرنے کی ضرورت تھی"۔(۱۱۹) ایک اور تصدیق شدہ مارکسٹ اور ممتاز ماہرِ جینیات جے ایس ہالڈین نے 1949 میں Daily Worker میں تبصرہ کیا کہ " کمیونزم کا فارمولا یہ ہے: اگر صلاحیتیں ایک سی ہوتیں تو 'ہر ایک سے اُس کی صلاحیت کے مطابق لے کر ہر ایک کو اُس کی ضرورتوں کے مطابق دینا' محض بکواس ہوتا"۔(۱۲۰) ماہرِ جینیات ایڈن پال بائیں بازو کے کئی افراد کے نظریے کا خلاصہ پیش کرتا ہے:"جب تک کوئی اشتراکی، ماہرِ یوجی نکس بھی نہ ہو، (تب تک) ایک اشتراکی سٹیٹ تیزی سے نسلی تنزلی سے تباہ ہوتی جائے گی"۔(۱۲۱)

دائیں بازو اور بائیں بازو کے درمیان روایتی تعطل/ خلل/ مجموعی تجزیہ کو بنیادی طور پر دوسرے الفاظ میں بالترتیب " تخصیصِ نو "اور "مسابقتی" کہا جا سکتا ہے۔ منطقی طور پر عقیدۂ مساواتِ انسانی، مسابقتی نقطۂ نظر سے مطابقت رکھتا ہے۔ اگر ہم سب واقعی "برابر" ہیں تو ہمیں مطابقت کی خاطر "بہترین انسان کے جیتنے" کا طریقہ اپنانا چاہیئے۔ اگر دوسری جانب

عدم مساوات جینیاتی لحاظ سے پروگرام ہوتی ہے تو انصاف کے تقاضے کے مطابق مادی اشیاء اور وقت کے ساتھ ساتھ۔۔۔جین کی نئی تخصیص کو عام ہو جانا چاہیئے۔ ماہرینِ یوجی نکس اِس امر کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اگر از روئے تعریف کسی مادی چیز کو ایک شخص سے ضبط کر کے دوسرے کو دینے سے ہی تقسیمِ نو کی جا سکتی ہے تو جینیاتی تقسیمِ نو کو اِس پابندی سے کوئی فرق نہیں پڑتا جس میں کسی قسم کا نفع اور نقصان نہیں ہے۔(۱۲۲)

ہولوکاسٹ، عقیدۂ مساواتِ انسانی کے بجائے عقیدۂ موروثیت کے ماننے والوں کی تخلیق مانی جانی چاہیئے لیکن دائیں بازو والوں کی طرح بائیں بازو والوں نے بھی بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری کے ذریعے خود کو بدنام کر لیا ہے۔ اور پھر اشتراکی معاشروں کا ہر جگہ موجود معاشی انہدام، اُن کی بیوروکریسیوں کا خود خدمتی ظالمانہ نظام اور وہ غربت بھی ہے جس میں وہ اپنی ہی آبادیوں کو دھکیلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ یہ بائیں بازو کے نظریے کے لیے اچھا وقت نہیں ہے اور۔۔۔بے شک نہایت بنیادی سطح پر اپنا تجزیہ بھی ایجنڈے میں شامل ہے۔

جب دوسرا ہزاریہ ختم ہونے کے قریب آیا تو ییل یونیورسٹی پریس نے ماہرِ حیاتی اخلاقیات پیٹر سنگر کی ایک چھوٹی سی کتاب شائع کی۔ پیٹر سنگر نے بائیں بازو کی سیاسی سوچ اور ڈارونیت میں حائل خلیج کو کم کرنے کی کوشش کی تھی۔ سنگر نے پسماندہ افراد کے حقوق کے دفاع پر مبنی اشتراکیت کی تجویز پیش کی تھی۔ اُس نے بتایا کہ دنیا کے چار سو امیر ترین افراد کی کُل دولت، دنیا کے پسماندہ ترین افراد کے 45 فیصد سے زیادہ ہے۔ وہ اُن کا دفاع کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ سیاست کے دائیں بازو کے لوگ ہی تھے جنہوں نے ڈارونیت اختیار کرنے کی کوشش کی جبکہ بائیں بازو کے افراد نے دائیں بازو کے افراد کے حقوق سے متعلق مفروضات کو قبول کرنے کی غلطی کی۔ سنگر مزید کہتا ہے کہ "اِس بات پر یقین کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے کہ ڈارونیت ہمیں فطری تاریخ کے ارتقاء کے قوانین فراہم کرتی ہے لیکن انسانی تاریخ کی ابتداء پر رک جاتی ہے"۔

اصولاً سنگر اِس بات پر قائم رہنے میں حق بجانب ہے کہ "ڈارونیت کی جانب مائل بایاں بازو" پھر سے اُبھر سکتا ہے گو کہ وہ روایتی مارکسی جو اپنے (نظریے کے) بانی کو ایسے نبی کا سا درجہ دیتے ہیں جس کے خیالات نے ہمیشہ کے لیے اِس بات کا تعین کر دیا تھا کہ دایاں بازو

کون سا ہے، بلاشبہ اُس کے مشہور قول کی جانب توجہ دلائیں گے کہ "معاشرتی وجود، شعور کا تعین کرتا ہے"۔اور اِس بات کا ذکر کیا جانا چاہیے کہ مارکس، مالتھوسی سوچ کا مخالف تھا جو اکثر یوجینکس اور مرنے کے حق کی تحریک کے ساتھ ہم آہنگ رہی ہے۔

فطرت (پرورش) کی مشہور بحث کو اُن سوفسطائیوں نے بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے جو حقیقت میں "عقیدۂ مساواتِ انسانی "اور "ماحولیات "پر اتنا یقین نہیں رکھتے جتنا وہ اپنے بھولے ماننے والوں کو بتاتے ہیں۔ اصل تنازعہ نظریۂ مداخلت اور عدم مداخلت کے درمیان جاری ہے۔ اگر ہم ایک ایسے سلسلے کو فرض کریں جس کے ایک سرے پر موروثی عناصر اور دوسرے پر پرورش ہو تو ہم اِس کے درمیان تین ممکنہ نظریات پاتے ہیں:

> جینیاتی جبریت، افراد اور گروپوں کے درمیان تنوع کی وضاحت کرتی ہے جس میں ماحولیاتی عناصر معمولی کردار ادا کرتے ہیں۔ ماحولیاتی تربیت، کسی بھی قسم کے جینیاتی رویے پر حاوی ہوتی ہے۔موروثی عناصر اور ماحولیاتی تربیت کے درمیان تفاعل پایا جاتا ہے

درحقیقت خالص جینیاتی جبریت بہت حد تک اُنیسویں صدی کی اشتراکی ڈارونیت کی یادگار اور مساواتِ انسانی کے ساتھ ساتھ ماحولیات کے اُن ماہرین کی ایجاد ہے، جو اپنے مخالفین کو بدنام کرنے کی کوشش میں اُن سے ایسے نظریات منسوب کرتے ہیں۔ جہاں تک صرف تربیت پر یقین رکھنے والوں کا تعلق ہے تو یہ ایک خوبصورت واہمہ ہے (اگر یہ سچ ہوتا!) جسے عقیدۂ مساواتِ انسانی کے ماننے والے انتہا پسندوں کے علاوہ باقی سب ترک کر چکے ہیں۔فطرت /پرورش مستحکم نظریہ ہے۔۔۔اور وہ متناقص کے بجائے تفاعل کا ہے۔مختلف نقطۂ نظر کے مابین پائے جانے والے جائز فرق، ایک عنصر کی دوسرے عنصر کی نسبت اہمیت کی وجہ سے موجود ہیں۔عقیدۂ مساواتِ انسانی سے تعلق رکھنے والوں نے کئی دلائل پیش کیے ہیں:

1) جدید انسان کورے ذہن (tabula rasa) کی نمائندگی کرتا ہے یعنی ایسی خالی سلیٹ جس پر ماحول کسی بھی قسم کی تحریر رقم کر سکتا ہے

2) بین گروپ میں کسی قسم کے تضادات موجود نہیں ہیں

3) گو کہ گروپوں کے اندر انفرادی صلاحیت کے مختلف درجے موجود ہو

سکتے ہیں لیکن عمومی ذہانت جیسی کوئی شئے نہیں ہوتی

4) آئی کیو ٹیسٹ ذہانت کے بجائے محض ٹیسٹ دینے کی صلاحیت کو پرکھتے ہیں

5) ذہانت کی موروثیت کے امکانات صفر ہوتے ہیں

6) اگر کوئی اِس بات کو تسلیم بھی کرے کہ موجودہ معاشرے کے زرخیزی کے نمونے (patterns) فتورِ نسلی (dysgenic) کا سبب ہیں تو بھی ارتقاء ہمیشہ ڈارون کے تدریجی ماڈل کے مطابق نہیں ہوتا جس میں معمولی تبدیلیاں وقت کے ساتھ ارتقائی تبدیلیوں کا سبب بنتی ہیں۔ اس کے بجائے ایسی مساوات جس پر زور دیا گیا ہو، جینیاتی جمود کے طویل ادوار کو کنٹرول کر سکتی ہے۔ اِس بظاہر سائنسی دلیل کو مثال کے طور جب قشری حیوانات (crustaceans) پر اطلاق کیا گیا تو یہ ایسا مناسب ٹروجن ہارس ثابت ہوا جس کا اصل مقصد انسانی شہر کے دروازوں کے اندر داخل کیا جانا ہے۔

سابق الذکر بنیادی التوائی تدابیر ہیں لیکن انہوں نے عوام کے ذہنوں میں جینیاتی اخراجیت کا مفروضہ پیدا کر دیا ہے۔۔۔یعنی یہ مفروضہ کہ نسلِ انسانی نے اپنے آپ کو بعد کے ارتقاء سے آزاد کر لیا ہے۔

بنیادی طور پر سائنس کو تاریخی واقعات سے روکا نہیں جا سکتا، چاہے وہ کتنے ہی افسوسناک کیوں نہ ہوں۔ میسا چیوسٹس یونیورسٹی کی سیاسی سائنسدان ڈیانا پال نے موجودہ شعوری ماحول کو بہتر انداز میں اختصار سے پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

> عملی طور پر بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے وہ تمام ماہرینِ جینیات جن کے نظریات اِس صدی کی پہلی تین دہائیوں میں تشکیل ہوئے، حیاتیاتی /بائیولوجیکل اور معاشرتی ترقی کے درمیان تعلق پر یقین رکھتے ہوئے اِس دنیا سے گئے۔ اُن کے شاگردوں نے مکمل طور پر مختلف معاشرتی ماحول میں شعوری پختگی حاصل کی سو وہ یا تو اِس نقطۂ نظر سے

متفق نہ تھے یا پھر جبریت کے لیے ناسازگار معاشرتی ماحول میں اِس کا دفاع کرنے کو تیار نہ تھے۔ غالبًا سوشیو بائیولوجی کا منظرِ عام پر آنا، 1940 کے تلخ واقعات کے پھیکے پڑ جانے کی علامت ہے۔ جیسے جیسے یہ یادیں کم ہوتی جائیں گی، تو ایسے نظریے کا منظرِ عام پر آنا حیران کن نہ ہوگا جسے کبھی سائنسی میدان میں شکست نہیں ہوئی بلکہ جو سیاسی اور معاشرتی واقعات میں ڈوب گیا تھا۔

1940 کے اواخر سے 1970 کے ابتدائی دور تک غالبًا یہ ایسا نقطۂ نظر رہا ہے جو سائنسدانوں کے اندر چھپا رہا اور جو اپنے اظہار میں تعاون کے لیے معاشرتی ماحول میں ایک اور تبدیلی چاہتا تھا۔(۱۲۳)

ماہرِ حیاتیات لارنس رائٹ نے منیسوٹا یونیورسٹی کی جڑواں بچوں کی تحقیق پر اپنے تجزیے کی بنیاد رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ صدی کے اختتام پر رائج انسانی فطرت کئی لحاظ سے اُس نظریے سے مماثلت رکھتی ہے جس پر ہم (اِس) صدی کے آغاز میں یقین رکھتے تھے۔(۱۲۴)

اِس بحث کی پر جوش نوعیت کی وجہ سے متعدد شرکاء کی نظریاتی سمت، مشاہدہ کرنے والوں اور کبھی کبھار خود شرکاء کو اکثر دھندلی معلوم ہوتی ہے۔ ذیل میں چار بنیادی نقطہ ہائے نظر پیش کیئے گئے ہیں جن میں سے دو عقیدۂ مساواتِ انسانی سے متعلق ہیں۔۔۔یعنی "سادہ عقیدۂ مساواتِ نسلِ انسانی "اور "سوفسطائی خلافِ نظریۂ مداخلت"۔ اِس تفریق کی وجہ یہ ہے کہ عقیدۂ مساواتِ انسانی پر یقین رکھنے والے سوفسطائی چند لحاظ سے سادہ مساواتِ انسانی کو ماننے والوں کے بجائے ماہرینِ یوجی نکس سے اتفاق کرتے ہیں۔نظریۂ مساواتِ انسانی کو ماننے والے سادہ افراد، یوجی نکس کی شدید مخالفت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن وہ صرف گول مول انداز میں اِس کی تعریف کرنے کے قابل ہوتے ہیں یا پھر شاید ایسا بالکل نہیں کر سکتے۔ بنیادی طور پر نظریۂ مساواتِ انسانی پر یقین رکھنے والے سوفسطائی، جینیاتی معلومات کے غلط استعمال کے خوف سے اپنے اصل خیالات ظاہر کرنے یا اُس پر بحث کرنے کے بارے میں مشتبہ ہوتے ہیں۔

مندرجہ ذیل چارٹ میں کسی حد تک مصنوعی پن پایا جاتا ہے کیونکہ افراد نفیس اور

واضح گروپوں میں تقسیم نہیں کیئے جا سکتے۔ مثال کے طور پر نیشنل سوشلزم نے اشتراکی ڈارونیت کی بنیاد پر یوجی نکس کا ماورائی ڈھانچہ کھڑا کرنے کی کوشش کی۔

	یوجی نکس	اشتراکی ڈارونیت	سادہ نظریۂ مساواتِ انسانی	سوفسطائی/پیچیدہ اینٹی نظریۂ مداخلت
معتقد نجاتِ کل /قبائلیت پسند	نجاتِ کل	قبائلیت پسند	معتقد نجاتِ کل	مخلوط
انسانی ارتقاء	قبول	قبول	ملا جلا اعتراف/انکار	قبول
انسانوں کا فطری انتخاب	مخالفت	حمایت	مخالفت	مخالفت
انسانوں کا فطری انتخاب	حمایت	ملی جلی حمایت/مخالفت	مخالفت	مخالفت
موجودہ درون گروپ تنوع	قبول	قبول	اعتراف یا انکار لیکن کڑی تنقید	نجی طور پر قبول لیکن عوامی سطح پر کڑی تنقید
موجودہ بین گروپ تنوع	قبول	قبول	انکار	نجی طور پر قبول لیکن عوامی سطح پر کڑی تنقید
درون گروپ انتخاب	موزوں اور پسندیدہ	موزوں اور پسندیدہ	غیر موزوں اور غیر پسندیدہ	موزوں لیکن بے حد خطرناک
بین گروپ انتخاب	موزوں لیکن غیر پسندیدہ	موزوں اور پسندیدہ	غیر موزوں اور غیر پسندیدہ	موزوں لیکن غیر پسندیدہ
آئندہ درون گروپ تنوع	قبول	قبول	ملا جلا اعتراف/انکار	نجی طور پر قبول لیکن عوامی سطح پر کڑی تنقید

آئندہ بین گروپ	موزوں اور	موزوں لیکن غیر	انکار (غیر پسندیدہ)	موزوں اور
تنوع	پسندیدہ	پسندیدہ		پسندیدہ لیکن غیر ضروری
طویل المدتی گروپ ہم موجودیت	پسندیدہ	غیر پسندیدہ	پسندیدہ	پسندیدہ

متنازعہ نظریات کے علاوہ مختلف گروہوں میں سوفسطائیت کا عنصر بھی بہت زیادہ موجود ہے۔ ذیل میں گروپوں کے لحاظ سے تجزیہ بیان کیا جاتا ہے:

اشتراکی ڈارونیت پسند:

گوکہ یہ اُنیسویں صدی کے دوسرے حصے اور بیسویں صدی کے پہلے حصے میں اہم کردار کے حامل تھے لیکن انہوں نے ایک گروپ کے لحاظ سے اپنی زندہ رہنے کی صلاحیت کھودی ہے۔ موت کے ذریعے انتخاب، زرخیزی کے ذریعے انتخاب پر حاوی آ گیا ہے، گوکہ ایک دن ایڈز جیسی وبائیں اور جدید فوجی کارروائیاں اِس مساوات کو تبدیل کر سکتی ہیں اور شاید ایسا ہمارے سوچنے سے بھی پہلے ہو جائے۔ بہر حال اشتراکی ڈارونیت آج بھی چند گروپوں کے نظریات کی بنیاد میں مضبوطی سے شامل ہو کر "باقیات" کی طرح موجود ہے۔

"ناروی" یا "آریائی" نظریہ:

1967 کی عرب اسرائیلی جنگ کے بعد شروع ہونے والی ہولوکاسٹ یادگاری تحریک (جس میں اِس کتاب کے مصنف نے مناسب کردار ادا کیا تھا) کے نتیجے میں یہ گروپ سفید فاموں کی برتری کے بجائے اُن کے بقا کے لیے دلیل دینے تک محدود کر دیا گیا تھا۔ آج یورپ کی ایک اوسط درجے کی عورت 1.4 بچے جنتی ہے۔ کسی آبادی کو قائم رہنے کے لیے 2.1 کی ضرورت ہوتی ہے۔ پاپولیشن ریفرنس بیورو کی 2005 Population Data Sheet کے مطابق 2050 تک دنیا کی کل آبادی میں سے یورپ کی آبادی 9.8 فیصد کے بجائے کم ہو کر

6 فیصد رہ جائے گی گو کہ یورپ میں آنے والے افراد کی تعداد اندازے کے مطابق بے حد زیادہ ہوگی۔" گلوبل ویلج" میں ناگزیر نسل کشی کے جینیاتی اثرات اِن نظریہ سازوں جتنے ہی بدشگون ہیں۔ اِس گروپ کی وفاداریاں کلاس کے بجائے نسل کے ساتھ منسوب ہیں۔ انہیں قبائلیت پسند کہا جا سکتا ہے۔

نظریۂ مداخلت کی مخالفت کرنے والے سوفسطائی:

یہ وہ گروپ ہے جو انسان کے جینیاتی سلسلے میں مداخلت کی مخالفت کرتا ہے اور اِس کے چند ممبران تو حیوانات اور نباتات کے جینیاتی سلسلوں میں مداخلت کے بھی خلاف ہیں۔ اِن لوگوں کو جرمنوں کی جانب سے یہودیوں کے قتلِ عام اور نیشنل اشتراکیت کے حامیوں کی جانب سے یوجی نکس کے لیے زبانی ہمدردی سے سخت تکلیف پہنچی تھی۔ اِن حالات کے مطابق اُن کے نظریات بدل گئے۔ حیرت کی بات ہے کہ اِس گروپ کے نجی خیالات بہت حد تک ماہرینِ یوجی نکس سے ملتے ہیں۔ اِس گروپ کے بنیادی عقائد اور اُن خیالات میں کافی فرق پایا جاتا ہے جن پر یقین رکھتے ہوئے یہ اپنا راستہ بدلتے ہیں۔ یہ اپنے سائز سے بڑھ کر اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ نظریۂ مداخلت کی مخالفت کرنے والے اکثر سوفسطائی، قبائلیت پسند ہوتے ہیں۔

سادہ عقیدۂ مساواتِ انسانی پر یقین رکھنے والے

افراد وہ ہیں جنہوں نے آبادی کے بارے میں زیادہ نہیں سوچا اور جنہوں نے بے حد استعمال ہونے والی مساواتِ انسانی کی اُس بائبل کو قبول کر لیا ہے جس کی تشہیر مداخلت کرنے والوں نے کی۔ پروپیگنڈے کی کسی تحریک کا مقصد، ہدف بننے والی آبادی کو عملی تجربے سے "الگ" کرنا ہوتا ہے اور سادہ مساواتِ انسانی پر یقین رکھنے والوں کے معاملے میں یہ مقصد احسن طریقے سے پورا ہوا ہے۔ وہ اِس بات کو قبول کرتے ہیں کہ ذہانت، تعلیم کے نتیجے میں آتی ہے اور ایثاریت پسند رویہ یا اِس کی کمی، پرورش کا نتیجہ ہوتی ہے۔ وہ ارتقاء کے نظریے کی بھی تردید کرتے ہیں۔

عقیدۂ نجاتِ کل پر مبنی یوجی نکس

اِس عقیدے کو کتاب میں کسی حد تک تفصیل سے بیان کیا گیا ہے سو یہاں اِس کی وضاحت کرنا غیر ضروری ہوگا۔ اتنا کہنا کافی ہوگا کہ ماہرینِ یوجی نکس اپنے آپ کو آئندہ نسلوں کی حمایت کرنے والا مانتے ہیں۔

نو مالتھوسی:

جہاں بہت سی اقوام آبادیاتی تبدیلی سے گزر رہی ہیں تو یہ گروپ اپنے اُس اعتبار کو کھو رہا ہے جو اِسے حال ہی میں ملا تھا۔ آج زیادہ تر آبادیاتی پیشگوئیاں، عالمی آبادی کی بڑھوتری کے متوازی ہونے کی بات کرتی ہیں لیکن مالتھوسی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آبادی ابھی سے اتنی بڑھ چکی ہے کہ یہ شاید ہی خود کو قائم رکھ سکے اور یہ کہ پھر بھی اِس کرۂ ارض کے بہت سے علاقوں میں آبادی میں تیزی سے اضافہ بے حد پریشان کن ہے۔ اکثر ماہرینِ یوجی نکس، مالتھوسی ہوتے ہیں لیکن مالتھوسیوں کا یوجی نکس کی جانب مائل ہونا ضروری نہیں۔

اینٹی مالتھوسی:

اِس گروپ کے مطابق انسانی سرمایہ بذاتِ خود ایک بہت بڑا وسیلہ ہے اور یہ کہ زمین کی "بوجھ سنبھالنے کی صلاحیت" سے تجاوز کر جانے کے خوف کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے اور یہ غیر مناسب ہے۔ نظریے کے لحاظ سے ماہرینِ یوجی نکس، قابلِ فہم طور پر مالتھوسیت کے مخالف ہو سکتے ہیں لیکن تاریخی لحاظ سے یہ معاملہ نہیں رہا۔

آزاد سکالرز اور سائنسدان:

اِن میں ماہرینِ جینیات، آبادیات، بشریات، آثارِ قدیمہ، معاشریات نفسیات۔۔۔ مختصراً ہر اُس شعبے کے افراد شامل ہیں جو مکمل طور پر یا کسی حد تک انسان کے تجزیے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ گروپ تکلیف دہ طور پر سنسر شپ کے اَن لکھے قواعد سے آگاہ ہے جن کا تعلق

معیاری سٹڈیز (تجزیوں) سے ہوتا ہے کہ اکثر سکالر اور سائنسی شعبے سے تعلق رکھنے والے ممبران، اپنے آپ کو غیر متنازعہ سوالوں میں مصروف رکھ کر نظریاتی طوفانوں سے بچتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک ماہرِ جینیات اپنے آپ کو مخصوص جینیاتی تسلسل کے تجزیے کے لیے وقف کر کے مستعدی سے ہر طرح کی معاشرتی مقاصد پر ہونے والی بحثوں سے بچ سکتا ہے۔ یہ ایک مکینک کی مثال کی طرح ہے جو یہ سوچے بغیر کاربوریٹر ٹھیک کرتا ہے کہ گاڑی کو کہاں جانا ہے۔ اِس مخصوص گروپ کے چند ممبران اپنے نظریے میں دوسرے nonmembers سے زیادہ ثابت قدم ہو سکتے ہیں اور وہ کبھی کبھار اپنے ذاتی نظریات کو اپنے تجزیوں پر اثر انداز ہونے دیتے ہیں اور اس حقیقت کو نہ صرف عوام بلکہ اپنے آپ سے بھی چھپاتے ہیں۔ دوسری جانب (اِس گروپ کے افراد کی) ایک بڑی تعداد اپنے تجزیاتی موضوع کے فلسفیانہ اور سیاسی نتائج سے بے پرواہ ہوتی ہے۔

OOO

وہ مت کرو جو میں کرتا ہوں، وہ کرو جو میں کہتا ہوں

(Everyone's Father)

4- یہودی

یہ خیال عام ہے کہ یوجی نکس تحریک۔۔۔نسلی، صیہونیت مخالف نازی نظریے پر مشتمل پر وہ تحریک تھی جو اینگلو امریکن اشرافیہ سے متاثر تھی۔ درحقیقت یوجی نکس نے ارجنٹینا، آسٹریلیا، آسٹریا، بیلجیئم، بولیویا، برازیل، کینیڈا، چین، کیوبا، چیکوسلواکیہ، ڈنمارک، اسٹونیا، فن لینڈ، یونان، ہنگری، انڈیا، اٹلی، جاپان، میکسیکو، ناروے، نیوزی لینڈ، نیدر لینڈ، پولینڈ، پرتگال، رومانیہ، روس، جنوبی افریقہ، سپین، سویڈن، سوئٹزرلینڈ اور ترکی میں مضبوط دفاعی مورچے قائم کر لیے تھے۔(۱۲۵)

یہودیوں نے ابتدائی یوجی نکس تحریک میں معتدل لیکن سرگرم کردار ادا کیا۔ 1916 میں ربی میکس ریچلر نے "Jewish Eugenics" کے نام سے ایک مضمون شائع کیا جس میں اُس نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ یہودی مذہبی رسوم، یوجی نکس کی جانب مائل تھیں۔ ڈیڑھ صدی بعد ایلس ورتھ ہنگٹن نے اپنی کتاب Tomorrow's Children جو کہ امریکن یوجی نکس سوسائٹی کے ڈائریکٹرز کے ساتھ مل کر شائع کی گئی تھی، میں ریچلر کے دلائل کو دہرایا اور یہودیوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ وہ نہایت منفرد اور برتر نسل ہیں اور اُن کی کامیابی کو یہودی مذہبی قانون کے بنیادی اصولوں کے ساتھ منظّم طور پر وابستگی کا نتیجہ قرار دیا اور اُس قانون کو بھی اُس کی فطرت کی وجہ سے بنیادی طور پر یوجینک ہی مانا۔(۱۲۶)

وائمر ری پبلک میں کئی یہودی سوشلسٹ سرگرمی سے یوجی نکس کی تحریک میں شرکت کرتے تھے جس کے لیے وہ اشتراکی اخبار Vorwarts کو اپنا نمائندہ وکیل مانتے تھے۔(۱۲۷) فرسٹ میونخ سوویت کا سربراہ میکس لیوائن اور جرمن سوشلسٹ پارٹی کے ممبر

جولیس موسس، یوجی نکس پر مکمل یقین رکھتے تھے۔ ممتاز جرمن یہودی ماہرینِ یوجی نکس کی ادھوری فہرست میں رچرڈ گولڈ شمٹ، ہینرک پول اور کرٹ سٹرن جیسے ماہرینِ جینیات، ماہرینِ شماریات ولہیلم وائنبرگ (ہارڈی وائنبرگ قانون کے معاون مصنف)، ماہرِ ریاضیات فیلکس برن سٹائن اور الفریڈ بلاشکو بینو چیچز، میگنس ہرشفیلڈ، جارج لونسٹائن، میکس مارکیوس، میکس ہرش اور البرٹ مول جیسے ڈاکٹر شامل ہوں گے۔ (۱۲۸) نازی پبلشر جولیس ایف لیہمین نے The German League for Improvement of the People and the Study of Heredity کے برلن کے یہودیوں کی ہدفی طور پر برباد کرنے کی وجہ سے تنقید کی۔ لونسٹائن ایک خفیہ تحریک کا ممبر تھا جو نیشنل سوشلسٹ حکومت کی مخالف تھی اور چیچز، گولڈ شمٹ، ہرشفیلڈ اور پول ترکِ وطن کر گئے۔ (۱۲۹)

جب امریکہ میں American Journal of Eugenics کے انقلابی انارکسٹ ایڈیٹر موسس ہارمن کی 1910 میں وفات ہوئی تو ایما گولڈ مین کے میگزین Mother Earth نے ڈسٹری بیوشن کا کام سنبھال لیا۔ 1993 میں ماہرِ یوجی نکس اور کیلیفورنیا یونیورسٹی کے زولوجیکے پروفیسر جیکسن ہومز نے یوجی نکس تحریک میں یہودیوں کی بڑی تعداد کی جانب اشارہ کیا اور "ذہانت کی پیدائشی صلاحیت" کی تعریف کی جبکہ اِس کے ساتھ ساتھ اُس نسلی تعصب پر افسوس کا اظہار بھی کیا جس کا سامنا یہودیوں کو کرنا پڑا جس کی وجہ سے اُن کے کئی دانشور غیر مساواتی نظریے سے محتاط ہو گئے۔ (۱۳۰) خود امریکن یوجی نکس سوسائٹی نے 1935 میں ڈائریکٹرز میں سے ایک ربی لوئس مین کو قرار دیا۔

ممتاز ماہرینِ یوجی نکس میں سے ایک امریکی ہرمن مُلر ہے جس کی ماں یہودی تھی۔ اُسے 1946 میں جینیاتی تبدیلیوں کی شرح (genetic mutation rates) پر کئے جانے والے کام کی بدولت میڈیسن (طب) کا نوبل انعام دیا گیا۔ مُلر ایک کمیونسٹ تھا اور اُس نے 1933-1937 کا عرصہ ماسکو یونیورسٹی میں سینئر ماہرِ جینیات کی حیثیت سے گزارے جس دوران اُس نے سٹالن کو ایک نوٹ لکھا جس میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ سوویت یونین، یوجی نکس کو اپنی سرکاری پالیسی کے طور پر اپنا لے۔ یہ Great Purges سے پہلے کا دور تھا اور سٹالن نے یقینی طور پر اِس خیال کی مخالفت کی جس پر مُلر نے سکاٹ لینڈ جانا مناسب سمجھا اور پھر وہ

امریکہ لوٹ گیا۔ ماسکو میں چند روزہ قیام کے دوران مُلر کا یوجی نکس پر لکھا Out of the Night نامی مقالہ امریکہ میں شائع ہوا۔ 1932 میں مُلر جرمنی میں ایک سال گزار چکا تھا اور وہ نازیوں کے نسل سے متعلق نظریات اور پالیسیوں پر غیض وغضب کا شکار تھا۔

یروشلم کی نیشنل لائبریری کے مطابق 1920 سے 1950 تک عبرانی زبان میں والدین کے لیے چند کتابیں شائع کی گئی تھیں۔ اِن کتابوں میں زندگی کا منطق نظریہ پیش کیا گیا تھا۔ جس کا ایک لازمی حصہ یوجی نکس پر مشتمل تھا جو یہودی ماؤں کو مسلسل تعلیم، تلقینِ عقیدہ اور اصولوں کا تابع بناتا تھا۔ برطانوی اختیار (مینڈیٹ) کے دوران فلسطین میں یہودی ڈاکٹر سرگرمی سے یوجی نکس کی ترویج کرتے تھے۔ ڈاکٹر جوزف مائر، جس کے نام Kfar Sava کے ہسپتال کا نام رکھا گیا، نے لکھا ہے:

> بچوں کی پرورش کی اجازت کسے دی جانی چاہئے؟ اِس سوال کا درست جواب تلاش کرتے ہوئے، یوجی نکس ایسی سائنس ہے جو نسلِ انسانی کو خالص بنانے اور اس زوال سے بچانے کی کوشش کرتی ہے۔ اگرچہ یہ سائنس ابھی تک نوخیز ہے تاہم اِس کے کئی فوائد ہیں۔۔۔ کیا اِس بات کو یقینی بنانا ہمارا فرض نہیں ہے کہ ہمارے بچے جسمانی اور ذہنی دونوں لحاظ سے صحت مند ہوں؟ ہمارے لیے بالعموم یوجی نکس اور زیادہ تر موروثی بیماریوں سے محتاط بچاؤ، دوسری اقوام سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹروں، کھلاڑیوں اور سیاست دانوں کو اِس خیال کو زیادہ سے زیادہ ترویج دینی چاہئے: اُس وقت تک بچے نہیں پیدا کرنے چاہئیں کہ جب تک یہ بات یقینی نہ ہو جائے کہ وہ جسمانی اور ذہنی دونوں لحاظ سے صحت مند ہوں گے۔ (۱۳۱)

بن گوریان یونیورسٹی میں "صیہونی ماہرِ یوجی نکس" کے موضوع پر تحقیق کرنے والے ایک محقق کی نظر سے ایک ایسی کارڈ فائل گزری جس میں مائر کی تحریروں کے ایک مجموعوں کے ایڈیٹروں کے نوٹس موجود تھے اور یہ 1950 کے وسط میں اسرائیل میں شائع ہوئے تھے جہاں ایڈیٹروں نے (اِس) مضمون کو "مبہم اور خطرناک" قرار دے کر یہ تبصرہ کیا کہ "نازی

یو جی نکس کے بعد اب اِس مضمون کو شائع کرنا خطرناک ہو گا"۔(۱۳۲) حقیقت میں 1948 سے قبل کے اسرائیل میں یوجی نکس کے لیے یہودی تعاون کی حقیقت کو کئی سال تک دبایا جاتا رہا۔(۱۳۳)

ایک راسخ العقیدہ ربی کے بیٹے ڈاکٹر میکس نارڈا کو تھیوڈور ہرزل نے صیہونی بنایا اور وہ تحریک کا ممتاز رکن رہا۔ نارڈا کے خیالات میں یوجی نکس کے بارے میں سرگرمی سے پروپیگنڈا کرنا شامل تھا اور یہ خیالات یہودی کمیونٹی میں اتنے مقبولِ عام ہوئے کہ امریکہ میں نارڈا کلب تعمیر کئے گئے۔

فلسطین میں World Zionist Organization کے دفتر کے سربراہ ڈاکٹر آرتھر رُوپن نے اپنی کتاب The Sociology of the Jews میں لکھا ہے کہ "ہماری نسل کی پاکیزگی کو بچانے کے لیے (جینیاتی کمزوریوں کے حامل) یہودیوں کو بچے پیدا کرنے سے باز رہنا چاہئے"۔(۱۳۴)

آج اسرائیل میں یوجی نکس سے متعلق کئی سرگرمیاں معمول سمجھی جاتی ہیں۔ یروشلم کی ہبریو یونیورسٹی کی میراویس کے مطابق:

> اسرائیل میں صیہونیوں کی یوجی نکس قبل از پیدائش کی منتخبہ پالیسی بن چکی تھی جسے بے حد ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کا تعاون حاصل رہا ہے۔(۱۳۵)

اب وہاں دنیا کے کسی بھی دوسرے ملک کی نسبت ہر شخص کے لیے ضرورت سے زیادہ فرٹیلٹی کلینک موجود ہیں (جو امریکہ میں ہر فرد کے لیے میسر کلینکس کی تعداد سے چار گنا زیادہ ہے۔) اگر حمل کے بارے میں جسمانی یا ذہنی لحاظ سے ناقص ہونے کا شک ہو تو اسقاطِ حمل میں مالی رعایت دی جاتی ہے۔(۱۳۶)

اگر نطفہ نمو پذیر نہ ہو تو ہبہ کرنے والے ڈونر (Donor) تفصیلی ہیلتھ ہسٹری پُر کرتے ہیں۔ ریاست نطفے (sperm) کا انتظام کرتی ہے جسے Tay-Sachs کیلیے سکرین کیا جاتا ہے۔ پینتیس سال سے زائد عمر کی خواتین مستقل طور پر بزل غلافِ جنین (amniocentesis) کے ٹیسٹوں کی اجازت دیتی ہیں اور جینیاتی نقائص دریافت ہونے کی

صورت میں اسقاطِ حمل کروا دیتی ہیں۔ غرضیکہ حکومت سرگرمی سے یوجی نکس کو آگے بڑھا رہی ہے گو کہ اصل مقصد تعداد کے بجائے معیار معلوم ہوتا ہے۔

1996 میں متبادل (والدین) کو قانونی حیثیت دی گئی لیکن یہ صرف شادی شدہ خواتین کے لیے تھا۔(۱۳۷) اِس کی ادائیگی بھی ریاست کرتی تھی۔ یہودی مذہبی قانون، شادی شدہ خواتین کی قانونی حیثیت پر اثر انداز نہیں ہوتا جس سے یہودی قانونی اصولوں کو جدید قانونی مشقوں سے ملانا ممکن ہوتا ہے۔ چند ربی درز جاج زرخیز کاری اور منتقلی جنین کو فرٹیلٹی کے علاج کی ایک شکل سمجھنے کو ترجیح دیتے ہیں جو زنا کے خلاف حلاخی اصول کی حقیقی خلاف ورزی نہیں ہے۔(۱۳۸)

حیرت کی بات ہے کہ چند ربی غیر یہودی نطفوں کے استعمال کی ممانعت نہیں کرتے کیونکہ غیر یہودی افراد کے مشت زنی (masturbation) پر ربی کوئی خاص فکر کا اظہار نہیں کرتے اور اِس لیے بھی کہ یہودیت بالخصوص ماؤں کے ذریعے منتقل ہوتی ہے۔ مختلف یہودی ماؤں کے ایک ہی ڈونر کے نطفوں سے پیدا ہونے والے بچے (آپس میں) شادی بھی کر سکتے ہیں کیونکہ "اُن کے درمیان کچھ مشترک نہیں ہے"۔ لیکن دوسرے ربی غیر یہودی نطفوں کے استعمال کو حقیر جانتے ہیں۔(۱۳۹)

کلوننگ کی جانب اسرائیل کا رویہ دوسرے ممالک میں رائج رویوں سے خاصا مختلف ہے۔ گو کہ انسانوں کی افزائشِ نسل کے لیے کلوننگ/بازتخلیقی کلوننگ (reprodcutive cloning) کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اِس ٹیکنالوجی کو ابھی بھی محفوظ نہیں سمجھا جاتا لیکن اسرائیل کی سب سے بڑا ربانی بانجھ پن کے علاج کے لیے بازتخلیقی کلوننگ کے طریقے میں کوئی فطری مذہبی امتناع نہیں دیکھتی اور اِسے نطفہ ہبہ (sperm donation) کرنے سے بہتر مانتے ہیں کیونکہ اُس میں بے نام افراد کی جانب سے ہبہ، بھائی بہن کے درمیان شادی کی صورت میں سامنے آ سکتا ہے۔(۱۴۰)

گو کہ 1998 میں رَیچلر کے 1916 کے مضمون کو شائع ہوئے آٹھ دہائیاں گزر چکی تھیں لیکن اسرائیل کی بار اِلن یونیورسٹی کے فلسفے کے پروفیسر نوآم جے زوہر نے رَیچلر کو جواب دیا۔ زوہر نے رَیچلر کے یوجی نکس کی حمایت میں پرزور خیالات کی "چند یہودی حلقوں میں

حمایت" کو دیکھتے ہوئے لکھا:

> ہر شخص کے لیے مخصوص یوجی نکس کا پروگرام۔۔۔ایک ایسے رویے سے ہم آہنگ ہوگا جس کی کم از کم روایتی یہودی تعلیمات نے خاموشی سے تصدیق کی ہے۔ کیا اِس بات سے کوئی فرق پڑے گا کہ اگر بچے پیدا کرنے کے ذرائع کا تعین اب اخلاقی اندازوں کے بجائے ثبوت پر مبنی جینیاتی سائنس سے کیا جائے؟(۱۴۱)

مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جب تک مقصد بذاتِ خود قابلِ قبول ہے تب تک اِسکو آگے بڑھانے والے ذرائع کو اِس کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیئے۔ ایسا ہی ہونا چاہیئے لیکن بلاشبہ اِن نئے ذرائع کو اخلاقی طور پر قابلِ اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمارے اُفق پر دکھائی دینے والی نئی یوجی نکس کے لیے یہودی جواب تلاش کرنے کے لیے اُن متعدد مخصوص ذرائع کا تجزیہ کرنا ضروری ہوگا جو جدید انفرادی یوجی نکس میں مددگار ثابت ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ روایتی یہودی خیالات کے تجزیے کے لیے کچھ تیاری کی جاچکی ہوگی۔

OOO

جمہوریت مطالبہ کرتی ہے کہ اُس کے تمام شہری اپنی دوڑ کا آغاز ایک ساتھ کریں۔
عقیدۂ مساواتِ انسانی کا اصرار ہے کہ وہ سب (دوڑ کا) اختتام اکٹھے کریں

Roger Price, "The Great Roob Revolution"

5- یوجی نکس کا اخفاء پر دباؤ

گو کہ یوجی نکس پر تنقید کا آغاز 1920 کے اختتام پر ہوا لیکن اِس نے نازی جرمنی کا اِسے اپنانا بھی برداشت کر لیا اور 1963 میں Ciba Foundation نے لندن میں "انسان اور اُس کا مستقبل" کے نام سے کانفرنس منعقد کروائی جس میں تین ممتاز ماہرینِ حیاتیات اور نوبل پرائز انعام یافتگان (ہرمن مُلر، جوشوا لیڈر برگ اور فرانسس کرک) سب نے اِس کی پرزور حمایت کی۔ اِس اُمید افزا اقدم کے بعد یوجی نکس کو ایک مکمل فساد سے گزرنا تھا۔

جنوب میں شہری حقوق کی حمایت میں احتجاج کرنے والوں پر پولیس کے کتوں کو حملہ کرتے دیکھ کر عوام غیض وغضب کا شکار ہو گئے اور انہیں جینیاتی نسلی تضادات پر کی جانے والی بحثیں ناقابلِ برداشت محسوس ہونے لگیں۔ 1974 میں سیاہ فام طلباء کے ایک بڑے گروپ نے، مینیسوٹا یونیورسٹی کے انسٹیٹیوٹ آف چائلڈ ڈیولپمنٹ کے پروفیسر سینڈرا سکار کے دفتر پر حملہ کر دیا:

> ایجوکیشن کے ایک گریجوایٹ طالبعلم نے کہا کہ اگر ہم نے سیاہ فام بچوں پر تحقیق جاری رکھی تو وہ ہمیں مار دیں گے۔ ایک طالبعلم ہمارے سامنے "honkie, honkie, honkie" کہتا چکر کاٹتا رہا۔(۱۴۲)

جب برکلے کی کیلیفورنیا یونیورسٹی کے آرتھر جینسن نے 1976 میں اِس انسٹیٹیوٹ کا دورہ کیا تو نسلی تعصب کے شکار طلباء کے ایک گروہ نے سکار اور اُس پر نفرت سے تھوکا۔ اُن میں سے چند طلباء نے سپیکرز اور اُن کو مدعو کرنے والوں پر حملہ بھی کر دیا۔ جینسن کے لیکچر نہ صرف

مستقل طور پر منقطع کئے جاتے تھے بلکہ اُسے اکثر بم دھماکوں کی دھمکی دی جاتی تھی۔ اُسے مسلسل نگرانی میں رکھا جانا پڑا۔(۱۴۳)

مارچ 1977 میں نیشنل اکیڈمی آف سائنسز نے واشنگٹن ڈی سی میں ایک فورم سپانسر کروایا جو باز ترکیبی (recombitant) ڈی این اے پر تحقیق سے متعلق تھا۔ پہلے سیشن کا آغاز ہوتے ہی احتجاج کرنے والوں نے نشستوں کے درمیان پلے کارڈ اور چارٹ اٹھائے مارچ کرنا شروع کر دیا۔(۱۴۴)

لندن سکول آف اکنامکس میں ہینز آئسینک کو ایک لیکچر دینا تھا جب اُسے "فاشسٹوں کو آزادیٔ رائے کا حق نہیں ہے"! کے نعروں کے ذریعے تقریر کرنے سے روک دیا گیا' پھر اُس پر حملہ کر دیا گیا اور اُسے سٹیج سے بچا کر لانا پڑا۔ اُس کی عینک ٹوٹ چکی تھی اور چہرے سے خون بہہ رہا تھا۔ جب اُس کی کتاب The IQ Argument امریکہ میں منظرِ عام پر آئی تو ہول سیلروں اور کتاب فروشوں کو آتشزدگی اور تشدد کی دھمکیاں دی گئیں اور اِس کتاب کو حاصل کرنا قریباً ناممکن ہو گیا۔(۱۴۵)

اوپر بیان کئے گئے واقعات اور اِس جیسے کئی دوسرے واقعات اِس دعوے کی بنیاد پر رونما ہوئے کہ نسلی گروپوں بالخصوص سیاہ اور سفید فاموں کے درمیان اوسط آئی کیو مختلف ہوتا ہے کسی نے اِس بات کو نوٹ نہ کیا کہ یہ معاملہ اُس عالمگیری یوجی نکس سے تعلق نہ رکھتا تھا جو بلا استثنا تمام گروپوں کی حمایت میں تھی۔

یوجی نکس کے اخفاء کی دوسری اہم وجہ 1967 کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد ہولوکاسٹ میموریل تحریک کا آغاز تھا۔ یہ تحریک اتنی مؤثر تھی کہ پول کے مطابق کئی امریکی پرل ہاربر یا جاپان پر ایٹم بم کے حملے کی نسبت ہولوکاسٹ کے بارے میں معلومات رکھتے تھے۔(۱۴۶) جو لوگ اب لفظ "یوجی نکس" سے آگاہ ہیں وہ اِس کا تعلق "ہولوکاسٹ" اور "نسل پرستی" سے جوڑتے ہیں۔ عام لوگ اِس بات سے مکمل طور پر بے خبر ہیں کہ 16 ستمبر کو امریکہ اور انگلینڈ کے یوجی نکس تحریک کے لیڈران نے کئی جرمن ماہرینِ یوجی نکس کی طرح نازی حکومت کے نسل پرست اصولوں کو واضح طور پر رَد کر دیا تھا (دیکھئے ضمیمۂ اول) یہودی کمیونٹی میں ایک بڑی لیکن مکمل طور پر قابلِ فہم ابتری پیدا ہوئی اور آج یہ ابتری یہودیوں کی

اہمیت سے بھرپور ہے۔ نیشنل جیوش پاپولیشن سروے کے مطابق 2000-1990 کی دہائی میں امریکہ میں یہودیوں کی تعداد میں تیزی سے کمی واقع ہوئی اور یہ زیادہ آئی کیو کے حامل گروپوں کے عام رویے کو ظاہر کرتا تھا۔(۱۴۷) 34-30 برس کی آدھی یہودی خواتین کی اولاد نہیں ہوتی اور قریباً آدھے امریکی یہودی 45 سال یا اُس سے زیادہ عمر کے ہیں۔(۱۴۸) یہ حقیقتاً بقا کا معاملہ ہے۔

1980 کے آغاز سے یوجی نکس پر لکھی جانے والی تحریروں میں خاصا اضافہ ہوا اور اِن میں شائع ہونے والے لٹریچر میں کئی مضامین اور بعد میں انٹرنیٹ پر شائع ہونے والی تحریریں بھی شامل تھیں لیکن اِس کے باوجود اِن تحریروں میں سے اکثر مخالف یا پھر زیادہ سے زیادہ محتاط ہوتی ہیں۔ ایک نسبتاً تازہ مثال ولیم ایچ ٹکّر کی The Science and Politics of Racial Research (1994) ہے۔ گو کہ یہ سائنسی تفتیش کی آزادی کی حمایت کا دعویٰ کرتی ہے لیکن ٹکّر " آئی کیو کی موروثیت کی معمولی سائنسی اہمیت " کو نظر انداز کرتے ہوئے اِس بات پر قائم ہے کہ تحقیق سے متعلق سائنسی حقوق "دوسرے کے حقوق سے متصف کئے جا سکتے ہیں"۔ وہ اِس بات پر غور کرتا ہے کہ آیا چند تحقیقی موضوعات پر بات کی بھی جانی چاہئے یا نہیں اور وہ نسل سے متعلق تحقیق میں حکومت کی مالی مدد سے انکار کرتے ہوئے محققین پر Nuremburg کوڈ کا اطلاق کرنے کی تجویز دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نفسیاتی تحقیق میں استعمال کئے جانے والے افراد "نقصان دیئے بغیر غلط ہو سکتے ہیں" اور یہ کہ انہیں تحقیق کی نوعیت سے آگاہ کیا جانا چاہئے کہ کہیں انہیں اُس تحقیق کے نتائج غیر موزوں نہ معلوم ہوں۔ وہ "اُن پندرہ غیر موزوں آئی کیو پوائنٹس "اور" کیا تم اپنی صلاحیتوں کو لوگوں کے خلاف استعمال کرو گے یا اُن کے حق میں "؟ جیسے جملوں کا بار بار حوالہ دیتا ہے۔(۱۴۹) ٹکّر کو عقیدۂ مساواتِ انسانی کے کیمپ میں اعتدال پسند قرار دیا جاسکتا ہے۔

1999 میں مَسّا اور سوسین کی De l'euge'nsime State Eugenics to Private Eugenics)d'E'tat 'a l'eug'ensime prive' (From نامی کتاب، ایسے مضامین کا حصہ ہے جنہیں اُن بیلجیئن اور فرانسیسی سکالرز اور سائنسدانوں نے لکھا جن میں سے چند یوجی نکس کے مخالف اور چند واقعی اِس کی حمایت کرتے ہیں۔ اِس کے باوجود یوجی

نکس کو "خیالی تصور" اور "غیر حقیقی" قرار دیا جاتا ہے۔ اِس کے مقاصد " کا حصول ناممکن " ہے اور یہ اُن "جھوٹے خیالات کے مجموعے" کی نمائندگی کرتی ہے جو "متنازعہ" اور " تحقیق سے غلط ثابت ہوئے ہیں"۔ محض اِس اصطلاح کا نام لینا ہی "ناپسندیدہ عمل کی غیر مشروط ملامت" کی بحث کی جانب لے جاتا ہے۔ دوسری اصطلاحات میں "رسوائی"، " کلاسیکل یوجی نکس کے ناخوشگوار اثرات "، "یوجینک رجحان کا خطرہ"، "امریکی ڈھونگ"، " خطرناک رجحان"، "یوجی نکس کا خطرہ"، "خوف"، "خطرہ"، "ڈر"، "اندیشہ"، "نقصان دہ"، "متشدد"، "انقلابی"، "غیر اخلاقی"، "خواص کے نظریے کا حامی"، "یوجی نکس کا شیطان"، "یوجی نکس کا لالچ"، "یوجی نکس کا پریشان کن ٹروجن ہارس"، " یوجی نکس کا بھوت"، "نازی سفاکی"، "گیس چیمبرز"، "نسل پرستی"، "نسلی امتیاز"، "یوجی نکس کی پھسلواں ڈھلوان"، "قابلِ نفرت نام"، "وحشی"، "خوف"، "تنبیہہ"، "مہلک"، "اِس رجحان کے خلاف ہوشیاری سے مزاحمت"، "جینیاتی امتیاز"، " تطہیر کاری اور خصی شگافی"، "خوفزدہ جبریت"، "جینیاتی تخفیف"، "تہذیب کو فطرت تک محدود کرنے والا "، " جسم کا مسلک"، " مطلق العنانی"، "افادیت پسندی"، "غیر انسانی "، "احمقانہ خیال "، "مادیت پسند تخفیف"، " حیاتیت"، "جینیاتی(geneticism) "، " وجودی یا مافوق الفطری خوف"، "شدید، واضح اور مکمل ملامت"، " مکمل طور پر بُرا"، " قتل سے بھی برا"، "تم کلون نہیں کرو گے!"، "بنیادی خرابی"، "دوسروں کی آزادی کے لحاظ سے بنیادی اور لازمی طور پر منفی"، "اوروں کو وسیلہ اور محض معمولی چیزیں سمجھنا(instrumentalization and objectivization)"، " کلوننگ کی جینیاتی کمزوری" شامل ہیں۔(۱۵۰)

یہ تحریک اپنے مقاصد حاصل کرنے میں نمایاں طور پر کامیاب رہی ہے۔ 1969 میں Eugenics News کے بعد چھپنے والے Eugenics Quarterly کا نام تبدیل کر کے Annals of Human Genetics رکھ دیا گیا۔ اُس سے اگلے سال ڈی این اے کے حصے کی اُس پہلی تفرید جو ایک الگ قابلِ شناخت جین پر مشتمل تھی، کے کچھ ہی عرصے بعد اِس تجربے میں شامل نوجوان سائنسدانوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ڈی این اے پر اپنا کام جاری نہ رکھیں گے۔ اُن کے مطابق اِس کی وجہ یہ تھی بالآخر وہ بڑی کارپوریشنیں اور حکومتیں

اِس کام کا غلط استعمال کریں گی جو سائنس کو کنٹرول کرتی ہیں۔

سوویت purges سے نقل کرتے ہوئے، عقیدۂ نظریۂ مساوات کے حامیوں نے یوجی نکس کو "جھوٹی سائنس" قرار دیا اور امریکن یوجی نکس سوسائٹی کو 1973 میں اپنا نام تبدیل کر کے سوسائٹی آف سوشل بائیولوجی رکھنا پڑا۔ 1990 میں کالج بورڈ کو SAT کا نام Scholastic Aptitude Test کے بجائے Scholastic Assessment Test رکھنا پڑا۔ 1996 میں اِس نے ہر نام کو ترک کر کے یہ اعلان کیا کہ SAT کے الفاظ کسی بھی چیز کو ظاہر نہیں کرتے۔ خود ماہرینِ یوجی نکس اپنی جان بچانے میں مصروف ہو گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو "پاپولیشن سائنسدان "، "انسانی ماہرینِ جینیات "، ماہرینِ بشریات"، ماہرینِ آبادیات "اور" جینیاتی مشیر "کے زمرے میں شامل کرلیا۔

OOO

میں خود بے پروا سچ کہنے والا ہوں
لیکن پھر بھی میں اپنے آپ کو ایسی باتوں کا الزام دے سکتا ہوں
کہ بہتر ہوتا کہ میری ماں مجھے پیدا نہ کرتی
(ہیملٹ)

6- جینیات کا ممکنہ غلط استعمال

بنیادی طور پر یوجی نکس کی مخالفت میں سب سے اہم دلیل اِس کا ممکنہ غلط استعمال ہے۔ بلا شبہ یہ خطرہ حقیقی ہے۔ ماضی میں (اِس کے) غلط استعمال کی طویل فہرست بنانے کے لیے زیادہ محنت نہ کرنی پڑے گی۔ بچے کو کسی بھی وقت نہانے کے ٹب میں ڈبو یا جا سکتا ہے۔ ایک جنس کی حیثیت سے ہمارے ماضی میں ایسا بہت کچھ ہے جس کے لیے ہم صرف شرمندہ ہی ہو سکتے ہیں۔

ابھی ہم صرف اُن خاکوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں جن کے مطابق ہم تخلیق کئے گئے تھے۔ ہم خطرناک غلطیاں کر سکتے ہیں یا ہم بہت زیادہ تنوع کو کھو سکتے ہیں۔ اور جیسا کہ یہ زیادہ پرانی تاریخ نہیں ہے جو ہمیں سکھاتی ہے کہ ایسے لوگوں کے خاتمے کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے یوجی نکس کا غلط استعمال کیا جا سکتا ہے جنہیں " کمتر " سمجھا جاتا ہے یا کسی بھی وجہ سے اُن سے نفرت کی جاتی ہے۔ اِس لیے کون اِس بات کی پیشگوئی کر سکتا ہے کہ کسی نامعلوم مستقبل میں زرخیز انسانی ذہن کن نئی برائیوں کو جنم دے سکتا ہے؟ یہ واقعتاً خوفزدہ کر دینے والی بات ہے۔ نظریۂ مساواتِ انسانی پر یقین رکھنے والے سوفسطائی جو اصل میں نظریۂ مساوات پر یقین نہیں رکھتے محض ایسے متفکر مفکر ہیں جنہیں خطرہ ہے کہ سڑکوں پر موجود عوام کو لاحق اندیشے درست ہیں۔

جینیات کا ممکنہ غلط استعمال انسانی لونی مادے کو بگاڑنے تک ہی محدود نہیں ہے۔ ابھی سے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ حیوانوں میں تبدیلی کے ذریعے اُن کی ذہانت میں اضافہ کر کے اُن سے ایسے کام کروائے جا سکیں جو ابھی انسان کر رہے ہیں یہاں تک کہ انسانوں اور

جانوروں پر مشتمل مخلوط مخلوق بھی بنائی جا سکتی ہے۔ سستے، کم ہنرمند کام کرنے والوں کے لیے تیار مارکیٹ ہمیشہ موجود ہوتی ہے اِسی وجہ سے یہ حقیقی خطرہ ہے۔ موجودہ دور میں لوگوں کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اِس کرۂ ارض پر اپنے ساتھی مسافروں کو استعمال کی چیزیں سمجھ سکتے ہیں، اِسی وجہ سے اِس خوفناک پہلو پر گفتگو بھی نہیں کی جاتی۔ لیکن اُس اخلاقی الجھن کے بارے میں سوچئے جو ہمیں اُس صورت میں درپیش ہو گی اگر ہمارا واسطہ ایسے حیوانوں سے پڑ جائے جن کی صلاحیتیں، انسانی آبادی کے نچلے طبقے پر حاوی ہوں۔

OOO

7- سہل مرگی

یوجی نکس اور مرنے کے حق سے متعلق تحریک میں قریبی تعلق پایا جاتا ہے۔ دونوں ہی زندگی سے تعلق رکھنے والے ایسے فلسفے ہیں جو بذاتِ خود زندگی کے بجائے زندگی کے معیار کو اہمیت دیتے ہیں۔

گو کہ 1830 میں انگلینڈ میں متوقع عمر، کثیر الاولادی سے کم تھی لیکن آج جدید صنعتی معاشروں میں عمر کا اوسط دورانیہ، فرٹیلٹی کے دورانیے سے کئی دہائیاں آگے ہے۔(۱۵۳) کسی بھی نرسنگ ہوم کا سادہ سا دورہ اِس بات کا قوی ثبوت پیش کرتا ہے کہ ایسے بے یارومددگار، مایوس بوڑھوں کی ایک بڑی آبادی ہے (اور baby boomers کی وجہ سے دگنی ہونے والی ہے) جو حقیقتاً ہر روز، ہر مہینہ اور ہر سال تکلیف سے گزرتے ہیں۔ جو کوئی بھی اِس کھلی حقیقت کا انکار کرتا ہے اُسے صرف اُن سے۔۔۔سالوں نہیں بلکہ صرف چند گھنٹوں کے لیے۔۔۔جگہ تبدیل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اُن میں سے کئی افراد کی افسوسناک صورتحال کا اندازہ کرسکیں۔

تیسرے ہزاریے میں داخل ہونے کے بعد (حالات کا شکار) اِن افراد کے پاس اِس تکلیف سے بچنے کا سب سے آسان طریقہ خود اپنی جان لے لینا تھا۔ یہ طریقہ ضعیف مردوں میں (27.7 فی 100,000) عورتوں (1.9 فی 100,000) کی نسبت زیادہ مقبول تھا۔

OOO

دین کے عالمو، یہ بات یاد رکھو کہ سورج اور زمین قائم رہنے
کے مسئلے میں سے مذہب کے معاملات نکالنے کی خواہش میں
تمہیں اِس بات کا خطرہ رہے گا کہ کہیں تم ایسے لوگوں کو ملحد نہ
قرار دے دو جو زمین کے ایک جگہ قائم رہنے اور سورج کے جگہ
تبدیل کرنے کی بات کرتے ہیں۔

گلیلیو، "The Dialogue"

8- مذہب

یوجی نکس کے ایسے ماہرین ہیں جو خدا پر یقین رکھتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو لاادری ہیں اور کچھ ملحد ہیں۔ یوجی نکس کی نسبت مذہبی عقائد مختلف سمت میں کام کرتے ہیں گو کہ ہمیشہ ایسے افراد موجود رہے ہیں جو علم کو مذہب کا متبادل جانتے ہیں۔ مثال کے طور پر روسی زبان میں عقلی اور روحانی کے لیے ایک ہی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے: dukhovnyi لیکن ایک اہم پہلو کے لحاظ سے انسانی نفسیات کا سائنسی تجزیہ مذہب کے متضاد ہے۔ سائنسدانوں کا کوئی بھی نظریہ یا طریقہ ہو لیکن وہ سب علت کی مقدس grail تلاش کرتے رہتے ہیں۔ آخر سائنس اِس سے متعلق ہے۔

OOO

9- پاپولیشن مینجمنٹ

نسلِ انسانی کے دو بنیادی نظریات ہیں: (ا) یہ کہ ہم خدا کا عکس ہیں اور اِس وجہ سے ہم اِس قدر مکمل ہیں کہ کسی قسم کی بہتری نا قابلِ تصور ہے۔ اور (ب) گو کہ ہماری نوع میں بڑے مثبت اور منفی پہلو موجود ہیں لیکن بہتری ضروری ہے اور۔۔۔ کم از کم۔۔۔ جینیاتی تنزل سے بچاؤ ایک لازمی اخلاقی ترجیح ہے۔

کئی لحاظ سے یوجی نکس نسلِ انسانی کے لیے وہی مقاصد بیان کرتی ہے جو یہ غیر انسانی چیزوں کے لیے کرتی ہے: یعنی ایک صحت مند آبادی جو سائز میں محدود ہوسکتی ہے تا کہ مختلف مخلوقات اور ماحول کے درمیان پیچیدہ فطری توازن برقرار رہے۔ اِس کے باوجود انسانی آبادی کے انتظام کی خصوصیات اپنے مقاصد اور طریقے کے لحاظ سے غیر انسانی آبادی کی مینجمنٹ کے طریقوں سے بالکل مختلف ہیں۔ "drain the pond and restock" کا طریقہ انسانوں کے لیے نہ صرف اخلاقی لحاظ سے قابلِ اعتراض ہے بلکہ اِس کی موزونیت بھی گرفت کے قابل ہے۔ بے ہودہ جابرانہ طریقے اُس صورت میں غیر مفید ثابت ہو سکتے ہیں جب وہ یوجینک تبدیلی کے خلاف مزاحمت پیدا کرتے ہیں۔ خیالی جنت کے لالچ سے بچنے کے لیے یوجی نکس کو بحیثیتِ تحریک حقیقی طور پر قابلِ حصول (شئے) کی جانب مائل ہونا چاہئے۔

جنگلی جانوروں کی آبادیوں کے معاملے میں زندہ رہنے کی قابلیت ہی مقصد ہوتی ہے اور صحت کو کسی ماحول میں زندہ رہنے اور افزائشِ نسل کی صلاحیت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اِس کے برعکس انسانی صحت کے معیار میں ذہانت اور ایثاریت بھی شامل ہوتی ہے۔ جہاں تک طریقیات کا تعلق ہے تو موجودہ انسانی آبادی کی فلاح میں نسبتاً معمولی مداخلت برداشت کی

جاسکتی ہے کیونکہ صرف وہی (انسان) ہیں جو یوجینک تبدیلی کا اطلاق کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر وائلڈ لائف مینیجرز اِس بات کو taken for granted مانتے ہیں کہ شکار خور اور شکار کے درمیان توازن "مفید" ہوتا ہے لیکن انسانوں کے لیے "بقائے اصلح" کا ایسا کوئی اسپنسری نظریہ موزوں نہ ہوگا۔ جدید یوجی نکس نے ابتدائی روایات سے عقیدے کے جس عظیم تسلسل کو قائم رکھا ہے، اِس نکتے پر حقیقت پسند جدید یوجی نکس اُس چیز سے مکمل طور پر الگ ہوتی ہے جس کی تعلیم سو سال قبل دی گئی تھی۔

گو کہ انفرادی یوجی نک کوششیں ابھی سے عروج پر ہیں لیکن وہ بڑے آبادیاتی رجحانات میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ اِسی وجہ سے عالمی یوجینک تبدیلی پورے معاشرے کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کے معاملے میں اُس آبادی کی طاقت جس پر حکومت کی جاتی ہے، کی مضبوطی، حکومتی مداخلت (اور غلط استعمال) کی حدود کا تعین کرتی ہے۔ حکومت جتنی کمزور ہو، آبادی کے مناسب (rational) نظام کے احکامات اتنے ہی کم ہوں گے۔ غیر حکومتی تنظیموں کا بھی اِس میں ایک کردار ہوتا ہے اور حکومت کی نسبت اُن کی آزادی میں نسبتاً کم رکاوٹ ڈالی جاسکتی ہے۔

تاریخ، آبادی کے جبری انتظام کی مثالوں سے بھری پڑی ہے جس کا سب سے بدنام طریقہ قتلِ عام ہے۔ لیکن دوسرے ضروری طریقے استعمال کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر اندرا گاندھی کی حکومت نے جبری طور پر بانجھ کاری (sterilization) اور vasectomies کی پالیسی کا نفاذ کیا۔ گو کہ آخر میں انڈیا نے اِس پالیسی کو ترک کر دیا لیکن اِس کے بغیر اُس قوم کی آبادی موجودہ آبادی کی نسبت کہیں زیادہ ہوتی۔ اِس کے باوجود چین کی ایک بچے کی نیم جبری پالیسی اِس سے کہیں زیادہ مؤثر رہی اور انڈیا اپنے 3.1 کے ٹوٹل فرٹیلٹی ریٹ (TFR) کے ساتھ جلد ہی چین (جس کا TFR، 1.7 ہے) سے آگے نکل جائے گا۔ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ سن 2000 تک اُس تعداد سے ایک بلین کم تھی جو ایک بچے کی پالیسی کے ساتھ ہوتی۔ دوسری جانب ایسی بھی صورتحال ہوتی ہیں جن میں کسی بڑی مصیبت سے بچنے کے لیے ایمرجنسی طریقے ہی واحد حل ہوتے ہیں۔ بنگلہ دیش اور ہیٹی کا نام ذہن میں آتا ہے لیکن وہاں اِس موضوع کو اٹھانے کی سیاسی خواہش بالکل ہی صفر ہے۔ عالمی معاشرہ ایک خطرناک جھوٹ پر زندہ ہے۔

مقدار سے ہٹ کر معیار سے متعلق سوالات پر توجہ دینے سے بالا رادی اور جبری طریقوں پر بحث کا لبِ لباب زیادہ تر موجودہ نسلوں کی من موجی خیالات کی کمزوریوں کی صورت میں نکلتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "افزائشِ نسل کے حقوق" کی اصطلاح ہی تعصب کو ظاہر کرتی ہے۔ یا لوگوں کے پاس ایسے بچوں کو پیدا کرنے کا "حق" ہے جو ممکنہ طور پر بڑے ہو کر کمزور ذہن کے مالک ہوں گے۔ ایک جانب ایک ایسا شخص ہوسکتا ہے کہ جس کا آئی کیو اتنا کم ہے کہ اُس کے لیے معاشرے کے ساتھ نمٹنا تقریباً ناممکن ہے اور دوسری جانب ایسے کئی محروم بچے ہیں جنہیں وہ کئی نسلوں میں پیدا کرتا/ کرتی ہے۔ جینیاتی لحاظ سے جن لوگوں کا آئی کیو پہلے سے کم ثابت ہو یا اُن میں اہم جینیاتی بیماریاں پائی جائیں اُن کی بانجھ کاری پھر سے شروع کی جانی چاہئے۔ یہ ایک غیر معقول بیان ہے، لیکن اِس کا کہا جانا ضروری ہے۔ آج اگر ہم آئندہ نسلوں کی صحت اور ذہانت کے حق کو اہمیت نہیں دیں گے تو یہ ہماری اپنے بچوں سے بزدلانہ غداری ہوگی۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ہم اتنے خودغرض ہوں کہ ہم جینیاتی لحاظ سے ایسے محروم طبقے کی افزائش کریں جو ہمارے لیے معمولی کام انجام دے؟

آبادیاتی رجحان میں زیادہ جھکاؤ below replacement فرٹیلٹی ریٹس کی جانب ہے اور گو کہ زبردستی بھی کی جاتی ہے لیکن اچھی بات یہ ہے کہ عام طور پر زبردست بالارادی اقدامات اِس قابل ہونے چاہئیں کہ یہ بچے پیدا کرنے والی عمر میں عورتوں کو مختصر خاندان کے مقصد کی اہمیت باور کروا سکے۔ بلاشبہ اپنی مرضی سے کئے جانے واے اقدامات کو عام طور پر جبری طریقوں پر ترجیح دی جاتی ہے گو کہ ارادیت اور جبر کے درمیان فرق بے حد معمولی ہوتا ہے۔

ارادی طریقوں میں سے ایک الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے بچے کی جنس معلوم کرنے کا ہوتا ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں لڑکے کی خواہش اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ یہ والدین کو لڑکی ہونے کی صورت میں اسقاطِ حمل کروانے کی طرف مائل کر دیتی ہے۔ لیکن آخر میں کسی آبادی میں مردوں کی تعداد افزائشِ نسل کے لحاظ سے غیر اہم ہوتی ہے کیونکہ صرف عورتیں ہی بچے پیدا کر سکتی ہیں اور مردوں کی کم تعداد خواتین کی زیادہ آبادی کو حاملہ بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ غرضیکہ پاپولیشن مینجمنٹ کا جھکاؤ لڑکیوں کی جانب ہونا چاہیے۔

1960 اور 1970 میں چین کی شیر خوار بچوں کی شرح نارمل (100 لڑکیوں کے لیے 106 لڑکے) لیکن 1980 میں ایک بچے کی پالیسی متعارف کروائے جانے کے بعد یہ تعداد لڑکوں کی جانب جھکنے لگی۔ 2002 تک پانچویں قومی مردم شماری نے پیدائش کے وقت 100 لڑکیوں کے لیے 116.86 لڑکوں کی سیکس ریشو ظاہر کی جو کہ 1982 میں 108.5 اور 1987 میں 110.9 تک بڑھ گئی تھی۔ (بے شک جو جوڑے لڑکے کی خواہش میں دوسرا بچہ پیدا کرنے کی اجازت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ لڑکی کی پیدائش کی رپورٹ کم ہی کرتے ہیں)۔ 2000 میں ہی چین میں مردوں کی تعداد عورتوں سے 60 ملین بڑھ جانے کا اندازہ لگایا گیا تھا۔ انڈیا میں بھی کچھ ایسی ہی صورتحال ہے جہاں 1991 کی مردم شماری نے ظاہر کیا کہ 35-45 ملین خواتین لاپتہ تھیں جبکہ اُس وقت آج کی نسبت الٹرا ساؤنڈ اتنا عام نہ تھا۔ 1993-2003 تک دہلی میں پیدا ہونے والے بچوں کے تجزیے سے معلوم ہوا کہ پہلی اولاد لڑکی ہونے کی صورت میں فی ہزار لڑکوں کے لیے لڑکیوں کی پیدائش کی تعداد 542 تھی۔ اگر پہلی دو لڑکیاں پیدا ہوتیں تو یہ شرح صرف 219 اور 1000 کی تھی۔

گو کہ بدقسمتی سے دیہی آبادیوں میں لڑکوں کی خواہش زیادہ ہوتی ہے، زیادہ آئی کیو کے حامل خاندان جدید دوائیوں بشمول الٹرا ساوئنڈ تک زیادہ رسائی رکھتے ہیں سو یہ عمل ابھی تک فتورِ نسلی (dysgenic) ثابت ہوا ہے۔ لیکن اگر اِن (سہولیات) کو کم آئی کیو کے حامل خاندان کی دسترس کے مطابق فراہم کیا جائے یا پھر ایسے خاندانوں کی مالی امداد کی جائے تو یہ (عمل) بے حد یوجی نکس ثابت ہو سکتا ہے اور یہ ایک ہی وقت میں آبادی کے معیاری اور مقداری دونوں مسائل پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ (یوجی نکس اور مالتھوسی سوچ کے درمیان تاریخی تعلق پر زور دیا جانا چاہیئے)۔ ابھی سے ایک بڑی تبدیلی عمل میں ہے۔ 2005 میں بہت سے کلینکس پر الٹرا ساؤنڈ 500 روپے (11.50 ڈالر) میں کروایا جا سکتا تھا۔ یہاں یہ کہنا ضروری نہ ہو گا کہ یہ ایسے مردوں کے لیے بے حد افسوس کن ہے جنہیں اپنے لیے کوئی ساتھی نہیں ملتا لیکن یہ dysgenic آبادی کی خرابی کی نسبت بہت کم اہمیت رکھتا ہے۔ اِس کے علاوہ خواتین کے لیے بڑھتا ہوا مقابلہ، زیادہ آئی کیو کے حامل مردوں کو غیر متناسب طور پر فائدہ پہنچائے گا۔ (اِسی وجہ سے کثیر الازدواجی کو عالمی سطح پر قانونی حیثیت دی جانی چاہیئے۔ یک زوجی کا قانونی

نفاذ، ذاتی / شخصی آزادی میں ایک dysgenic مداخلت ہے۔ سائنسی طور پر کوئی بھی نسل کشی کرنے والا اِسکے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا)۔

ارادتاً اختیار کیئے جانے والا ایک اور طریقہ کم آئی کیو کے حامل خاندانوں میں مانع حمل طریقوں کی بہت زیادہ پروموشن ہے۔ گو کہ (اِس) تعلیم سے نوجوانوں کی جنسی خواہش ختم نہ ہو جائے گی لیکن یہ شرح پیدائش گھٹانے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ reversible بانجھ کاری کی بہت تشہیر کی جانی چاہیئے۔

"pro-choice" (اسقاطِ حمل کی قانونی اجازت) اور "pro-life" (اسقاطِ حمل کی اجازت نہ ہونے) کے درمیان موجودہ بحث، جینیاتی انتخاب کے لیے اسقاطِ حمل کے اثرات کی اہمیت کو مکمل طور پر نظر انداز کرتی ہے۔ اسقاطِ حمل کی بھی سرگرمی سے تشہیر کی جانی چاہیئے کیونکہ اکثر یہ ایسی کم آئی کیو کی حامل ماؤں کے لیے آخری راستہ ہوتا ہے جو مانع حمل طریقوں پر عمل نہیں کر پاتیں۔

فلاحی پالیسیوں کا مکمل طور پر از سرِ نو جائزہ لیا جانا چاہیئے۔ کم آئی کیو کی حامل خواتین کو ہر بچے کے لیے زیادہ ادائیگی کیئے جانے کے بجائے، مالی امداد کی بنیاد بانجھ کاری کے لیے راضی ہونے پر ہونی چاہیئے۔ معاشرے کو ایسے خاندانوں کے لیے زیادہ ٹیکس کریڈٹس پر توجہ دینی چاہیئے جو بچوں، نرسریوں، ڈے کیئر سینٹر وغیرہ رکھتے ہوں۔ اِس سے زیادہ آئی کیو کی حامل خواتین میں فرٹیلٹی میں اضافہ ہو گا جو عام حالات میں بچے پیدا نہیں کرنا چاہتیں یا پھر اُن کی تعداد کم رکھنا چاہتی ہیں اور اس طرح اپنے اُن بچوں کو جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اپنے کیریئر کو آگے بڑھانے کی خاطر قربان کر دیتی ہیں۔ تحریکِ نسواں کے مقاصد بذاتِ خود جائز اور منصفانہ ہیں لیکن وہ انقلابی نظریۂ مساواتِ انسانی کے غیر سائنسی نقطۂ نظر سے بندھے ہونے کی وجہ سے ہماری نسلوں کو تباہ کر دیں گے۔

یوجینک فیملی پلاننگ کی خدمات وہ سب سے بڑا تحفہ ہیں جو ترقی یافتہ ممالک تیسری دنیا کو دے سکتے ہیں۔ ایک عالمی معاشرے میں کسی ایک ملک کی محدود بندش ایک ایسی غیر معمولی صورتحال ہو گی جس کو انسانی معاشرہ برداشت نہیں کر سکتا۔ دوستانہ مگر سخت رویے/ Tough love کی ضرورت ہے۔ ایسی پالیسی کسی بھی ایسے نسلی گروہ کے مقاصد کو تقویت پہنچا

سکتی ہے جو اپنے کم ذہین ممبران بچے پیدا کرنے کی مشین بن جانے اور زیادہ ذہین افراد فرٹیلٹی کے خلاف قوی ترغیبات کا سامنا کرنے کی وجہ سے تکلیف اٹھاتے ہیں۔

مختلف ممالک میں حکومتی اور غیر حکومتی سرگرمی کی مختلف ترکیب موزوں ہوتی ہے۔ کم آئی کیو کی حامل خواتین کی منتقلیٔ جنین (embryo transfer) پر آمادگی پر انہیں مالی امداد سے نوازنا اہم اقدامات میں سے ایک ہوسکتا ہے۔ ذہانت کو سب سے زیادہ اہمیت دینے پر sperm banks کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے اور اِن اداروں کی پروموشن کو ٹیکس آمدنیوں سے پورا کیا جانا چاہئے اور ایسی ٹیکنالوجی ایجاد کی جانی چاہئے جو مصنوعی رحم (womb) تخلیق کرے یا پھر اس کے بجائے مختلف جنسوں کے درمیان منتقلی جنین کو حقیقت کا روپ دیا جانا چاہئے جس سے زیادہ آئی کیو کے حامل افراد کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوگا۔

مذہبی عقیدہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گا اور یوجی نکس کو اس طرح سائنسی بنا کر پیش نہیں کیا جانا چاہئے جو مذہب کے مخالف ہو۔ اِس کے ساتھ ساتھ اگر یوجی نکس عوام کا بنیادی عقیدہ بن جائے تو اِس میں حد سے تجاوز کرنے کی بہت زیادہ صلاحیت موجود ہے۔

جینیاتی تحقیق کو اخراجات سے بے پرواہ ہوئے بغیر جاری رکھا جانا چاہئے۔ اِس بارے میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے کہ جینیاتی سلسلے میں مداخلت کے نتیجے میں ہمارے سامنے کیسے بڑے بڑے امکانات سامنے آئیں؟

امیگریشن کے محاذ پر کم آئی کیو کے حامل افراد کے کم تنخواہ پر بے مہارت کاموں کو سرانجام دینے کی درآمدیت (importation) کو پہچانا جانا چاہئے۔ کیونکہ یہ میزبان ملک کی آبادی کی طویل المدتی صلاحیتِ حیات کے لیے خطرہ ثابت ہوسکتی ہے۔ تمام آبادیاں انوکھی صفات (entities) کی نمائندگی کرتی ہیں اور ایسے انوکھے پن کو کھو دینے سے سب کا نقصان ہوگا۔ اِس کے باوجود بہتر ذرائع آمدورفت اور مواصلات کے حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے مستقبل میں خالص نسل کشی (inbreeding) میں اضافہ ہی ہوسکتا ہے۔

OOO

فطرت نے اس عظیم ذہن کو دفنا دیا ہے
جیسا کہ تلوار میان میں رکھی جاتی ہے
وہ انہیں بھول چکی ہے جن کی قبریں سرسبز و شاداب ہیں
جن کی سانسیں سرخ ہیں جن کی ہنسی متناسب ہے

Osip Mandelstam, "Lamarck"

10- امکانیت

جب کسی آئیڈیل کا حصول ناممکن مان لیا جائے تو اُسے "خیالی" سمجھ کر ترک کر دیا جاتا ہے۔ اگر حال میں موجود اُن لوگوں سے حقیقی قربانی چاہیئے جن کی ایثاریت پسندی (انسان دوستی) صرف ایک دو نسلوں تک ہوتی ہے اور جو زیادہ تر ثقافت اور تہذیب کو غیر اہم جانتے ہیں، تو کیا یوجی نکس (اِس مقصد کے لیے) صرف ایک تصوراتی بات نہیں ہے؟

یوجی نکس تحریک کو قابلِ نمو سماجی طاقت کے طور پر از سرِ نو قائم کرنے کا جائزہ لینے کے لیے ہمیں سب سے پہلے سیاسی نظاموں پر گہری نظر ڈالنی اور اُس عوامیت پسند جارحانہ حکمتِ عملی سے آگے جانا ہوگا جو ہر جگہ موجود ہونے کی طرح ابدی ہے۔ آمریت میں طاقت کو صریحاً ایک شخص کے لیے مخصوص کر دیا جاتا ہے جبکہ "جمہوریت" میں طاقت کا مخروطی (اہرامی) ڈھانچہ زیادہ غیر شفاف ہوتا ہے:

لیول A: لوبیز اور (زیادہ تر نامعلوم) چندسری حکومت
لیول B: سیاستدان
لیول C: ممتاز حکومتی عملہ اور میڈیا
لیول D: عام لوگ/عوام

اِس ترتیب میں جو بات اہم ہے وہ یہ کہ لیول B اور لیول C کا لیول A کے ساتھ رشتہ بہت حد تک افسر اور ملازم کا ہوتا ہے۔ سیاستدانوں کو منتخب ہونے کے لیے پولنگ اور ایڈورٹائزنگ (پروپیگنڈے) کے لیے سرمایہ درکار ہوتا ہے جبکہ میڈیا (جو کہ لیول A ہی کی ملکیت ہوتا ہے) عام لوگوں کو اُن مقابلوں سے بہلاتا ہے جن میں مقابلے کے شرکاء کے درمیان

بے حد کم فرق ہوتا ہے۔ سیاستدان ایک بار "منتخب" ہو جائیں تو سرمایہ فراہم کرنے والوں کی مرضی کو نافذ کرتے ہیں جبکہ ہارنے والے سیاستدانوں کو منافع بخش رسمی پوزیشنوں پر "رکھا" جاتا ہے تاکہ وہ اگلے راؤنڈ کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ عام لوگوں میں موجود ایسے سوفسطائی ہوتے ہیں جو نظام کی نوعیت سے دھوکا نہیں کھاتے لیکن بے اطمینانی کا اظہار کرنے پر انہیں دھمکایا، اپنایا حتیٰ کہ کھلا بھی چھوڑا جا سکتا ہے۔ چونکہ ایسے لوگ نظام کے لیے خطرناک نہیں ہوتے، سو اِن کے احتجاجوں کو "آزادیٔ رائے" کے اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تمام انسانی سوشل ڈھانچے اپنی فطرت میں خود سر ہوتے ہیں اور قابلِ نمو یوجی نکس پالیسی کا نفاذ اُن اشرافیہ پر ہوتا ہے جو تعداد میں نسبتاً کم ہوتے ہیں۔

یوجی نکس میں یہ یا وہ (eithor/or) کی گنجائش نہیں ہوتی۔ حکومتی سطح پر کیے جانے والے کئی فیصلے جینیاتی اثرات سے بھرپور ہوتے ہیں۔۔۔ جیسے فیملی پلاننگ پروگرام، قانونی اور سستا اسقاطِ حمل، امیگریشن کا معیار، بچے پیدا کرنے کے لیے ٹیکس کریڈٹ، mandated paid parental leave، جینیاتی تحقیق، کلوننگ، فرٹیلٹی میں مدد وغیرہ وغیرہ۔ ماہرینِ یوجی نکس یہ دلیل دیتے ہیں کہ فیصلہ کرنے والوں کو حکومتی اقدامات کے یوجینک یا dysgenic اثرات کو اہمیت دینی چاہیئے۔

دنیا آزاد اقوام میں منقسم ہے۔ ضروری فنڈنگ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اِن میں سے کم از کم چند میں افزائشِ نسل کے لیے مثبت یوجینک پروگرام قائم کرنا ممکن ہوگا جن کی بنیاد انسانی ماؤں (human birth mothers) پر ہونا ضروری نہ ہوگا۔ مختلف حلقوں میں مصنوعی تخم ریزی (insemination) کے خلاف مزاحمت جاری دیکھ کر ایسی تبدیلیوں کے خلاف مخالفت قابلِ فہم طور پر شدید ہے۔

یوجینک ایجنڈے کی پرموشن کرنے والا ایک واضح سبب، والدین کی صحت مند، ذہین بچے پیدا کرنے کی ناقابلِ تردید خواہش ہے۔ بلا شبہ جنین کی جینیاتی سکریننگ قابلِ دریافت خصوصیات کی وسیع تر رینج پر محیط ہوگی۔ اِس طرح ہمارا مقصد محض خطرناک امراض کے خاتمے کے بجائے ایسے بچے پیدا کرنے کی کوشش ہوگا جنہیں ایسے جینیاتی فوائد حاصل ہوں جو موجودہ دور میں آبادی کے چھوٹے سے حصے کو حاصل ہیں۔

مثبت اور منفی یوجی نکس کے روایتی طریقوں کے برعکس جرمی سلسلے میں مداخلت سے لوگوں کے لیے اپنے بچے پیدا کرنا ممکن ہوگا۔۔۔لیکن ایسے بچے جو اُس سے زیادہ صحت مند اور ذہین ہوں گے جو جینیاتی سلسلے میں مداخلت کے بغیر ممکن نہ ہو سکے گا۔ یہ طریقہ مفادات کے اُس بین نسلی تنازعے کی رکاوٹ سے الگ ہوگا جو اُن بے یارومددگار لوگوں کے خلاف کام کرتا ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ عوامی رائے بے حد لچکدار ہوتی ہے۔ ایڈورٹائزنگ اور پروپیگنڈے کا انحصار بنیادی طور پر سرمائے پر ہوتا ہے۔ لیکن اگر کسی ایک ملک کو سختی سے نیشنل یوجی نکس پالیسی کو جاری رکھنا ہو جبکہ وہ فوجی لحاظ سے کمزور ہو یا کسی نسلی گروہ کو ایسا راستہ اختیار کرنا ہو، تو اِس میں شامل نہ ہونے والے ممالک کو اپنے بچوں کے لیے مسابقتی خطرہ محسوس ہوگا اور وہ اُن (ایسے ممالک اور گروہوں) سے قبل ہی (مخالفانہ) تحریک شروع کرنے کی جانب مائل ہوگا تاکہ اُسے خود یوجی نکس پالیسی کو متعارف کروانے کی ضرورت نہ پڑے۔

OOO

ہم جانتے ہیں کہ ہم کیا ہیں، مگر یہ نہیں کہ ہم کیا ہو سکتے ہیں

(ہیملٹ)

11-انقلابی مداخلت

جبکہ ہم ابھی بھی انسانی جینیات کو سمجھنے کے ابتدائی مراحل میں ہیں، یہ بات مکمل طور پر پیش بینی کے قابل ہے کہ مستقبل کے بارے میں معلومات ہمیں بیماریاں پیدا کرنے والی جین کی تبدیلی یا کسی پسندیدہ صلاحیت یا شخصی خصوصیت میں اضافہ کرنے کی جینیاتی کاموں سے آگے جانے میں مدد دے گی۔ ہم مزید آگے جانے اور نہایت بنیادی طریقے سے جینیاتی ترکیب تبدیل کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔ جیسا کہ 1973 میں حیاتی اخلاقیات (bioethiest)اور الٰہیات کے ماہر جوزف فلیچر نے کہا تھا کہ ایسے انسانوں کی تخلیق ممکن ہے جن کا لونی مادہ (genome) جزوی طور پر دوسری جنسوں سے لیا گیا ہو۔ موجودہ تحریریں اب۔۔۔ڈی این اے کے "قابلِ تبادلہ" ہونے، زندگی کی تشکیل پذیری، انسانی فطرت کے ایک سے نہ ہونے کی حقیقت، اِس امکان کے مستقبل کے کسی دور میں انسانوں کے مختلف گروہ جو ایک دوسرے سے شاید مرد و عورت کی طرح بالکل مختلف ہوں، جینیاتی ٹیکنالوجی کے استعمال کے ذریعے ترقی کے راستے اختیار کریں گے، مختلف جنسوں کے درمیان رکاوٹوں کے خاتمے اور محض جین کی دریافت کے بجائے انہیں تخلیق کرنے۔۔۔کے بارے میں بحث کرتی ہیں۔ کیا واقعی ہمیں انسانی فطرت کو قائم رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے یا پھر اُسے تبدیل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے؟(۱۵۶)

کیلیفورنیا یونیورسٹی کے ماہرِ حیاتیات جان ایچ کیمپ بیل اُن لوگوں میں سے ایک ہیں جو انقلابی (بنیادی) مداخلت پسندی کی حمایت کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ:

> ماہرینِ جینیات ہماری وراثت کو ریڈیو کے سرکٹ بورڈ کی طرح کھول

> رہے ہیں۔۔۔ہم اپنے حیاتیاتی وجودوں کو اپنی مرضی سے ازسرِنو ڈیزائن کرسکیں گے۔۔۔حقیقت میں یہ سوچنا بے حد مشکل ہے کہ انجینئرنگ کے لیے وراثت کا نظام کس طرح ہمارے نظام کی نسبت زیادہ آئیڈیل ہوسکتا ہے۔(۱۵۷)

کیمپ بیل، یہ دلیل کہ زیادہ تر نسلِ انسانی اپنی مرضی سے معیاری پاپولیشن مینجمنٹ پالیسیوں کو قبول نہ کرے گی، دیتے ہوئے کہتا ہے کہ تمام انسانیت کا آئی کیو بڑھانے کی کوئی کوشش بے حد آہستہ ہوگی۔ اِس کے علاوہ وہ کہتا ہے کہ ابتدائی یوجینکس کا عمومی زور تمام جنسوں کی بہتری کے بجائے زوال سے بچنے کی جانب ہوگا۔

اِس وجہ سے کیمپ بیل کی یوجینکس نسلِ انسانی (Homo Sapiens) کو "یادگار" یا "زندہ رکاز (living fossil)" کے طور پر ترک کرنے کے بجائے جینیاتی ٹیکنالوجیز کے ذریعے لونی مادے (genome) میں مداخلت کی حمایت کرتی ہے۔ جیسے ڈی این اے تالیف کار (synthesizer) کے ذریعے نئے جینز مرتب کرنا۔ ایسی یوجینکس پر وہ اشرافیہ عمل کریں گے جن کی کامیابیاں ارتقاء کی عمومی رفتار سے اتنی تیز اور آگے ہوں گی کہ دس نسلوں میں نئے گروپ ہماری موجودہ حالت سے اِس قدر آگے نکل چکے ہوں گے جتنے آج ہم بن مانس کے دور سے آگے آچکے ہیں۔

کیمپ بیل پہلے بیان کیے گئے تاکیدی توازن کی صورتحال کے مطابق نئی جنس کی تخلیق کی امید رکھتا ہے۔ نئی یوجینکس پر عمل کرنے والے اپنے آپ کو تیار جنس کے بجائے ارتقاء کا ذریعہ سمجھیں گے۔ ایک ایسی متروک/پرانی جنس کی "بیزاری" سے آزاد ہوکر جو ابھی سے زوال پذیر ہے وہ ذہانت میں ہمیشہ کے لیے تیزی سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ کیمپ بیل کا اندازہ ہے کہ ہماری موجودہ ذہنی استعداد شاید اُن ذہنی خصوصیات کو سمجھنے کے بھی قابل نہیں ہے جو ہماری اگلی نسلیں پیدا کرنے کی کوشش کریں گی۔ اِس کے بعد وہ یوجینک مذہب کے پرانے خیال کی حمایت کرتا ہے۔ یہ اتفاق نہیں ہے کہ جن ویب سائٹس پر کیمپ بیل کا مضمون پایا جاتا ہے اُن میں سے ایک "Prometheism" کے بارے میں ہے۔ آخر میں وہ کہتا ہے کہ چند موزوں جینیاتی ٹیکنالوجیز ابھی سے ہی دستیاب ہیں:

> مستقبل بعید میں پرائیویٹ خود ارتقاء (autoevolution) ممکن ہے اور نہ ہی کوئی سائنس فکشن۔ یہ آج ہی ہمارے لیے دستیاب ہے گو کہ ابھی یہ اتنے ابتدائی مرحلے میں ہے کہ بہت سے لوگوں کی توجہ سے محروم ہے۔۔۔ ہمارے دور کی سب سے اہم میراث نیوکلیائی طاقت، کمپیوٹر، سیاسی کامیابیاں یا کسی "قابلِ برداشت" معاشرے کے لیے ساکن اخلاقیات نہیں ہوں گی۔ یہ ہماری شعوری صلاحیت کا ہمارے ارتقاء کا احاطہ کرنا ہو گا۔ اکیسویں صدی کے مجسمے، Homo autocatalyticus کے آباؤ اجداد کی یاد میں قائم کئے جائیں گے جنھوں نے ارتقاء کو اُس کے اپنے سبب کے مطابق راہ دکھائی۔ دنیا یہ جاننے کے لیے منتظر ہے کہ اِن میں کون لوگ شامل ہوں گے۔ (۱۵۸)

تیز رفتار، چھوٹے گروپوں پر مبنی ارتقاء کی کیمپ بیل کی پیشگوئی ایک ہی وقت میں خوش کن بھی ہے اور مایوس کن بھی۔ زیادہ بہتر، حتیٰ کہ لامحدود ذہانت کے بارے میں سوچنے سے خوف آتا ہے۔ دوسری جانب اُن "زندہ رکازوں" کیلیے یہ بات کتنی اداس کر دینے والی ہے جن پر زیادہ تر انسانیت مشتمل ہے۔۔۔ یعنی وہ انسانیت جسے ہم آج جانتے ہیں۔ قاری کو یاد ہو گا کہ یوجی نکس اپنے آپ کو موجودہ آبادی تک محدود نہیں کرتی بلکہ کسی مخصوص دور میں معاشرے کو مکمل انسانی کمیونٹی کے طور پر بیان کرتی ہے۔ یہ تحریک اپنے آپ کو اُس میز کا چوتھا ستون مانتی ہے جس پر اِس کمیونٹی کا انحصار ہے۔ (باقی تین ستون قدرتی وسائل کی رسد، ایک صاف ستھرا، حیاتیاتی لحاظ سے منفرد ماحول، اور انسانی آبادی جو اِس کرۂ ارض میں بآسانی سما سکے اور لامحدود طور پر اپنے آپ کو قائم رکھ سکے)۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے سامنے ایسے معاملات ہیں جن پر ماہرینِ یوجی نکس کے مطابق کسی قسم کی بحث نہیں کی جاسکتی۔ ایسی شرائط کو یا تو بقا کے لیے لازمی سمجھا جاتا ہے یا پھر وہ بنیادی طور پر وجود کے اصل معنی سے تعلق رکھتی ہیں۔ باقی تمام باتیں۔۔۔ جیسے سیاسی پارٹیاں یا موجودہ آبادی کی فلاح۔۔۔ یا تو اِن بنیادی شرائط سے نکلتی ہیں یا پھر وہ اِن سے کم اہم مانی جاتی ہیں۔

اِس کے معنی یہ ہیں کہ اگر یوجی نکس پلیٹ فارم کو کوئی کامیابی حاصل کرنی ہے تو

اِسے یا تو غیر وابستگی کی وضع اپنانی ہو گی یا پھر سیاسی لحاظ سے دائیں یا بائیں بازو سے الگ رہنا ہو گا۔ اِس کے ساتھ ساتھ تزویراتی نقطۂ نظر سے یہ تحریک بین گروہ تنازعوں یا موازنوں کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ جہاں یہ شعبے پولیٹکل سائنٹسٹ، ماہرِ معاشریات یا ماہر انسانی حیاتیات کے لیے اہم ہیں، تاریخ نے یہ ثابت کیا کہ یوجینک ایجنڈے میں اُن کی جستجو غیر پیداواری بلکہ تباہ کن ہوسکتی ہے۔ یوجی نکس ایجنڈے کو ترویج دینے کی خواہش رکھنے والے سکالرز اور سائنسدانوں کو دوسرے مفکرین کے ساتھ تنازعہ پیدا کرنے کے بجائے مشترکہ خصوصیات تلاش کرنی چاہئیں۔ نظریاتی فرق کے لیے ایسا ضبطِ نفس چاہئے جسے کوئی بھی بخوشی قبول نہ کرے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ اِن میں سے چند موضوع یوجینک اہمیت کے حامل ہو سکتے ہیں اور کچھ نہیں تو یہ یوجینک معاملات کے ساتھ میل کھا سکتے ہیں۔

ابھی تک ایسے ضبطِ نفس کی کوشش نہیں کی گئی۔ تمام آبادی کی عمومی فلاح کے برعکس ذہانت کی جانب انسان کے بعد یا غیر انسانی ارتقاء کے زیادہ سے زیادہ امکانات پائے جاتے ہیں۔ یوجی نکس کی حیاتِ نو / بحالی سے بچنے کی ہیجانی کیفیت میں ابھی سے قانونی رکاوٹیں ڈالی جا رہی ہیں لیکن اِس بات پر یقین رکھنا کہ ایسی کوششیں مکمل طور پر مؤثر ثابت ہوسکتی ہیں، ایک بے کار خواب ہے۔ کیمپ بیل کی دلیل ناگزیر ہے۔ معاشرے کی مخصوص وضع مختلف جنسوں کے درمیان روایتی یوجی نکس کی تردید، لامحالہ اس کے بتائے ہوئے حالات کی جانب ہی لے جائے گی۔

تحریر ایجاد ہونے کے بعد سے ایک گلوبل انسانی دماغ وجود میں آیا جس میں صدیوں پر محیط معلومات منتقل اور ذخیرہ کی جاسکتی ہیں۔ اِس عمل کے دوران لوگ انفرادی طور پر مخصوص شعبوں میں مہارت حاصل کرتے ہیں اور آج کوئی بھی "یونیورسل جینئسز" (geniuses) کے بارے میں بات کرنے کی جانب مائل نہ ہوگا۔ سادہ الفاظ میں جاننے کے لیے بہت سی باتیں موجود ہیں۔

انسانی دماغ کی ترقی میں جہاں کئی ملین سال لگے وہاں کمپیوٹرز، جنھیں بنے اور ترقی کئے ابھی ایک صدی کا ہی عرصہ گزرا ہے، ابھی سے شطرنج کے بہترین ماہرین کو شکست دے رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ "Hal" کی ابھی تخلیق نہ ہوئی ہو لیکن وہ اب بھی اپنے بائنری رحم میں

بیتاب ہے۔

کاربن بیسڈ ٹیکنالوجی کی اپنی حدود ہیں۔انفرادی انسانی ذہن اپنے سائز، سیکھنے کے لیے میسر وقت اور اُس رفتار کی وجہ سے محدود ہے جس پر یہ معلومات کو پراسیس (process) کرتا ہے۔لامحدود میموری اور پروگرامنگ کے ساتھ کسی بھی سائز کا کمپیوٹر تخلیق کیا جا سکتا ہے۔جہاں تک سپیڈ کا تعلق ہے تو موجودہ ٹیکنالوجی ابھی سے پائیوسیکنڈز (ایک سیکنڈ کے ٹریلین حصے) میں معلومات کو پراسیس کر رہا ہے جبکہ انسانی دماغ صرف مائیکروسیکنڈز میں کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔(۱۵۹)

انسانی ذہن بذاتِ خود ایک مشین ہے اور اِس کی خصوصیات، خودآگاہی اور مطابقت کی صلاحیت۔۔۔بالآخر سب کی وضاحت ہوجائے گی گو کہ ابھی ہم نے اِس کے رازوں سے پردہ اُٹھانے کا آغاز ہی کیا ہے۔ابھی اِس سلسلے میں زوروشور سے بحث جاری ہے کہ کیا کمپیوٹر کے ذہن کی طاقت انسان/انسانی دماغ سے آگے جاسکتی ہے،لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کیا کہ بجائے کب کا سوال ہے۔ایچ جی ویلز کی کتاب The Time Machine میں پیش کئے گئے دو معاشروں۔۔۔جن میں سے ایک مادی اشیاء پیدا اور دوسرا اُنھیں بچوں کی طرح استعمال میں لاتا ہے۔۔۔شاید ہماری سوچ سے بھی قبل وجود میں آجائیں اور وہ بچوں جیسی مخلوق ہم ہوں گے۔یہ جلد ہی ہونے والی حقیقت، اُس سے زیادہ معتدل کردار یوجی نکس کے حوالے کرتی ہے جو قابلِ فہم ہوسکتا ہے۔انسانی ذہن کو بہتر بنانے کی کسی بھی کوشش کا ہدف ایسا آلہ ہوتا ہے جو اپنی صلاحیت میں فطری طور پر محدود ہوتا ہے۔دوسری جانب انسانی ذہن ایک طرح سے خدا جیسا ہوگا۔چند ہزار مہینوں کے لیے زندگی دے کر ہم انسانوں کو ہوا میں موجود چھلکے کی طرح عارضی بنا دیا گیا ہے،لیکن سوچ، کلچر اور خود زندگی کی قسمت ہم پر لاگو کر دی گئی ہے اور ہم انفرادیت پسند اور قبائلی جبلتوں کی ممنونیت میں کئی ملین نسلوں کے ورثے کو برباد کر سکتے ہیں یا پھر ہم اپنی قسمت کو پورا کرنے کے لیے سامنے آسکتے ہیں اور مستقبل کی دنیا کے لیے اپنی ذمہ داری قبول کر کے نسلوں کے عظیم تسلسل میں شامل ہو سکتے ہیں۔

OOO

ایک باپ کی ذمہ داری

Deuteronomy 6:1-9

خلاصہ

جہاں اجتماعی انسانی ذہن اپنی ابتدا اور مستقبل کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے، یوجی نکس پلیٹ فارم پھر سے ابدی حیثیت سے سامنے آتا ہے کیونکہ یہ جن معاملات سے تعلق رکھتا ہے وہ انسانوں کی جانب سے تاریخی حمایت اور لاتعلقی، دونوں سے آزاد ہیں۔

دائیں اور بائیں بازو کا سیاسی تسلسل، موجودہ انتخابی حلقوں کے اہم مسائل کے مطابق مرتب کیا گیا ہے جن کی دلچسپیاں زیادہ تر یوجی نکس پلیٹ فارم پر محیط یا پھر اُس کی معاون ثابت ہوتی ہیں، جبکہ انسانیت کی وسیع (طولی) تعریف یا وجود کی غائیتیت اِس مسلمہ مسلسلے (spectrum) میں درست معلوم نہیں ہوتی۔

ہماری اور آئندہ نسلوں کی دلچسپیوں میں یہ تنازعہ ایک اخلاقی مقابلے کو ظاہر کرتا ہے، لیکن سیاست کا بہترین طور پر خلاصہ یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ یہ باہمی فائدے پر مبنی اتحاد کا قائم ہونا ہے۔ وہ کونسے انتخابی حلقے ہوں گے جو کسی معاوضے کے بغیر آئندہ نسلوں کے ساتھ حصہ دار بننے پر راضی ہوں گے؟ کیا ایسے حلقے وجود رکھتے بھی ہیں؟

OOO

سماجی حیاتیات اور بہبودِ آبادی

درج ذیل تحریر مشترکہ بیان کی صورت میں امریکہ اور برطانیہ کے نامور ماہرین حیاتیات (جن میں کچھ نوبل انعام یافتہ بھی شامل تھے) ستمبر ۱۶، ۱۹۳۹ء کے "Nature" کے شمارے میں شائع ہوئی' جسے عام طور پر ''یوجی نک کا منشور'' قرار دیا جاتا ہے۔ اسی دوران دوسری عالمی جنگ چھڑ گئی' ادیبوں نے نسل پرستی اور اس کی تھیوری کے درمیان فرق کو خاص طور پر واضح کرنا شروع کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اچھے اور بُرے جین کی اجارہ داری محض چند لوگوں کے باعث روا رکھی جا رہی ہے۔ اس تحریر کو جوں کا توں شائع کیا جا رہا ہے۔

سماجی حیاتیات اور بہبودِ آبادی

واشنگٹن ڈی سی کی سائنس سروس کی درخواست اور ان کے سوال کہ ''دنیا بھر کی آبادی کو جنیاتی لحاظ سے بہتر کیسے کیا جا سکتا ہے؟'' کے جواب میں کئی سائنسی ورکروں نے اضافہ شدہ اعلان نامہ تیار کیا اور آخر میں درج کیے گئے ناموں نے اس پہ دستخط ثبت کیے۔ مذکورہ سوال سے محض حیاتیاتی مسائل نے ہی جنم نہ لیا خصوصاً جب ماہرین حیاتیات نے اس پہ عمل درآمد کرنا شروع کیا تو اس سے کئی دوسرے مغالطے بھی پیدا ہوئے۔ نوع انسانی کی موثر جنیاتی بہبود کا انحصار سماجی حالات اور انسانی رویوں کی تبدیلی پر منحصر ہوتا ہے۔ پہلے پہل اس نظریے کو جانچنے کی کوئی موزوں اساس نہیں ملتی۔ دوسری طرف مختلف افراد کی پیدائشی حیثیت کا موازنہ' بغیر معاشی اور سماجی حالتوں کے تقابل کرنے سے' تقریباً سماج کے تمام افراد کو مساوی مواقع فراہم کرنا مقصود ہوتا ہے' نہ کہ انہیں بچپن ہی سے معاشرتی لحاظ کے مطابق معاشرے کی

طبقہ بندی میں متعصّبانہ سہولیات فراہم کی جائیں۔

جنیاتی بہبود میں دوسری بڑی رکاوٹ معاشی' سیاسی حالات ہوتے ہیں جو مختلف لوگوں،قوموں اورنسلوں میں معاندانہ رویے کی افزائش کرتے ہیں۔ہم دیکھتے ہیں کہ عوام میں نسل پرستی اور دیگر تعصّبات اور یہ غیر سائنسی نقطہ نظر کہ اچھی اور بُری جین کا تعلق نسل سے ہوتا ہے' کا خاتمہ ناممکن حد تک مشکل ہوتا ہے۔تاہم وہ حالات جو جنگ کا باعث اور معاشی استحصال روا رکھتے ہیں ختم کیے جاسکتے ہیں مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ دنیا کچھ موثر قسم کے اقدامات اٹھائے جس میں عام آدمی کے مفادات کا تحفظ وغیرہ شامل ہو۔

تیسرا۔۔اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ بچوں کی نشو ونما مستقبل کے بچوں کی قیمت پر کی جائے سوائے اس کے کہ ماں باپ کے پاس خاطر خواہ معاشی وسائل موجود ہوں اور وہ بچوں کی بہبود کے لیے معاشی' طبعی' تعلیمی اور دوسری امداد کو وسعت دینے کے قابل ہوں اور اس سے کوئی بھی متاثر نہ ہو۔ کیونکہ عورتیں بچوں کی تعلیم وتربیت کرنے میں کافی متاثر ہوتی ہیں لہٰذا انہیں خصوصی تحفظ فراہم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنی افزائش نسل کی ذمہ داریوں کو بآسانی نبھا سکیں اور روزمرہ کے معاملات میں رکاوٹ نہ آنے پائے اور وہ سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کا حصہ لینے کے قابل ہوسکیں۔

یہ مقاصد کبھی بھی پورے نہیں کیے جاسکتے اگر ان کے لیے ایک تنظیم نہ ہو جو ابتدائی طور پر صارف اور مزدور کے حقوق کا تحفظ کرے۔ جب تک روزگار کی صورت حال والدین خصوصاً ماؤں کی ضروریات کے مطابق کردی جائے۔اس کے علاوہ رہائشی علاقوں اور کمیونٹی سروسز کو عام طور پر پھر سے بچوں کی بہتری کے مطابق ڈھالا جانا چاہیے۔

چوتھی ضرورت یہ ہے کہ قانون سازی، عالمی وسعت (پھیلاؤ) اور مزید ترقی بذریعہ سائنسی تجزیے، ضبط تولیدگی کا موثر انتظام' مثبت اور منفی دونوں طرح سے' افزائش نسل کی تمام حالتوں کو بہتر بنانے کے لیے جیسا کہ وقتی یا مستقل بانجھ کاری، امتناع حمل، اسقاط حمل (تحفظ کا آخری نقطہ) ذرخیزی کا نظم اور جنسی چکر' مصنوعی تخم ریزی کرنا وغیرہ۔اس تمام کے ساتھ ساتھ سماجی شعور میں ترقی اور بچوں کے پیدا کرنے میں ذمہ داری کا ثبوت دیا جائے اور یہ تب تک عمل پذیر نہیں ہوسکتا جب تک مذکورہ بالا اقتصادی اور سماجی حالات اس کی معاونت نہ کریں اور

جب تک جنس اور افزائش نسل کے بارے میں توہماتی رویہ ایک سائنسی اور سماجی رویے میں نہ بدل دیے جائیں۔اس کا نتیجہ' اگرچہ اسے ڈیوٹی نہ بھی سمجھا جائے تو بھی' اپنی نوعیت میں ایک عزت اور نعمت ہے' ایک جوڑے کے لیے' ایک ماں کے لیے' خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ' کہ وہ بہترین بچہ پیدا کریں' اس کی پرورش اور جنیاتی فطری صلاحیت حتیٰ کہ جہاں سابقہ کا مفہوم ایک مصنوعی' اگرچہ ہمیشہ رضا کارانہ ماں باپ کے طریقہ کار کا کنٹرول حاصل کریں۔قبل اس کے کہ عوام یا ریاست جوان کی نمائندگی کرتی ہے' یہ اپنی افزائش______ کی راہنمائی کے لیے شعوری پالیسیوں پہ انحصار کرے' ایسا تب ممکن ہوگا جب جینیاتی اصولوں کی وسیع پیمانے پہ تشہیر ہوسکے۔اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ انسانی فلاح و بہبود کے لیے ماحولیاتی اور وراثتی عناصر کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔لیکن یہ بھی یاد رہے کہ ان دونوں عناصر میں آدمی کی حیثیت بنیادی ہوتی ہے۔ ماحولیاتی حالات میں بہتری جنیاتی بہبود کے مواقع' مذکورہ بالا طریقوں سے بڑھائی جاتی ہے۔

لیکن یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ بہترین ماحول کا براہِ راست اثر جراثیمی سیل پہ ہوتا ہے اور یہ کہ لامارکین فلسفہ محض ایک مغالطہ ہے جس کے مطابق ان والدین کے بچے جنہیں بدنی اور ذہنی ترقی کے لیے بہتر مواقع ملتے ہیں۔ وہ بہترین جنیاتی ورثے کے مالک ہوتے ہیں جن کے مطابق' نتیجے کے طور پر' بالا دست طبقات اور لوک مفلس اور نادار لوگوں کے مقابلے میں' جنیاتی برتری حاصل کرلیں گے۔کسی بھی نسل کی جنیاتی خصوصیات کے اپنی گذشتہ نسل سے بہتر ہوسکتی ہیں بشرطیکہ وہ بہتر انتخاب کریں یعنی ایسے لوگ جن کی آنے والی نسلیں بہتر جنیاتی آلات کی حامل ہیں ان کی نسل بہتر ہوگی بہ نسبت دوسرے لوگوں کے' خواہ یہ شعوری انتخاب کے طور پر ہو یا پھر خودکار انداز میں کہ جیسے وہ زندگی گزارتے ہیں۔

جدید مہذب حالات کے تحت اس طرح کا انتخاب نہایت مشکل ہوتا ہے لہٰذا اس کے لیے شعوری راہنمائی کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے تاہم لوگوں کو اولین طور پہ مذکورہ بالا اصولوں اور سماجی قدروں کی ستائش کرنی چاہیے کہ یہی انسان کی بہترین راہنمائی کرتی ہیں۔

ششم۔۔۔شعوری انتخاب کی ضرورت' اضافی طور پر' انتخاب کا ایک طے شدہ امر ہے اور یہ ہدایات سماجی نہیں ہوسکتیں' کہ عوام الناس کی فلاح و بہبود کے لیے' حتیٰ کہ معاشرے

میں سماجی محرکات غالب رہتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر اس پہ سماجی نظم غالب آتا ہے۔ سماجی نقطہ نظر سے بہت اہم جنیاتی مقصد ان جنیاتی خصوصیات کی بہتری ہے جو:

(۱) صحت کے لیے

(۲) پیچیدگی جسے ذہانت کہتے ہیں کے لیے؛ اور

(۳) ان متلون مزاج خصوصیات کے لیے جو ہم مزاج اور سماجی اسلوب کی حمایت کرتی ہے' بجائے اس کے کہ ان (موجودہ دور میں یہ بہت سوں کے نزدیک قابل عزت ہے) کو جو موجودہ دور میں ذاتی کامیابی ہی کو اصل کامیابی تصور کر لیتے ہیں۔

حیاتیاتی اصولوں کی کھلے عام تفہیم سے یہ بات سامنے آئے گی کہ جنیاتی تباہی کو بچانا مقصود ہے اور یہ کہ عوام کی جسماجی بہبود، ذہانت اور متلون مزاجی کی حالت کو ترقی دینا ہوتا ہے نہ کہ انفرادی طور پر اور یہی حاصل مقصود۔۔۔۔ جہاں تک جنیاتی ترجیحات کا تعلق ہے، جسمانی طور پر ممکن ہے مگر چھوٹی تعداد میں موازنے کے طور پر' لہٰذا ہر کوئی ''ذہین'' کو دیکھنا چاہتا ہے اور اسی سے استحکام سے جڑا ہوا ہے کہ یہی اس کا پیدائشی حق ہے۔ ارتقاء کا عمل ظاہر کرتا ہے کہ یہ کوئی حتمی طور پر نہیں بلکہ اس میں مستقبل میں مزید اضافے کا امکان ہے۔

تاہم اس قسم کی ترقی کا موثر ہونا' اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ انسانی جنیات اور اس کے متعلقہ شعبوں میں بے حد تحقیق کی جائے۔ اس سلسلے میں طب، نفسیات، کیمسٹری اور سماجی علوم کی مختلف برانچوں میں اس کے ماہرین کا تعاون درکار ہوگا۔ لیکن یاد رہے کہ اس سلسلے کی تحقیق میں انسان بطور اکائی کے مرکزی کردار کا حامل ہوگا۔ انسانی جسم کی تنظیم کا مطالعہ ایک شاندار سلسلہ ہے جب کہ اکے جنیاتی مطالعہ میں بہت سی مشکلات حائل ہیں جس کے لیے بڑے پیمانے پر تحقیق کی ضرورت ہے۔ تاہم یہ تب ممکن ہوگا جب انسانی ذہن جنگ اور نفرت سے دور رہے اور اس کی بنیادی ضروریات کو مل کر پورا کرنے کا اہتمام کیا جا سکے۔ وہ دن جب اقتصادی تعمیر اس سطح تک پہنچ جائے گی جب ایسی انسانی قوتیں آزاد ہو جائیں گی ابھی دور ہے۔ البتہ اس دن کے حصول کے لیے ابھی سے تیاری کی جانی چاہیے جبکہ اس سلسلے میں اٹھائے گئے ہر قدم انسانی جنیات کی بہتری میں اضافے کا باعث ہوگا۔ فوری طور پر نہ سہی مگر یقیناً اس سے موجودہ تہذیب و تمدن کو لاحق خطرات کو کم کرنے میں بھی مدد ملے گی۔

ضمیمہ دوم

100 جرمن تاریخ کی متعلقہ کتابوں کی فہرست جو کہ ویمر کے دورِ حکومت اور نیشنل سوشل ازم کے دوران لکھی گئیں

Books with no references to eugenics in index

1. Abel, Theodore. 1938, 1966. The Nazi Movement. Atherton Press.

2. Abel, Theodore. 1938. Why Hitler Came into Power. Prentice-Hall.

3. Arendt, Hannah. 1965. Eichmann in Jerusalem: A Report on the Banality of Evil. Viking Press.

4. Baird, Jay W. 1990. To Die for Germany: Heroes in the Nazi Pantheon. Indiana University Press.

5. Barnouw, DagMarch 1988. Weimar Intellectuals and the Threat of Modernity. Indiana University Press.

6. Berg-Schlosser, Dirk; Rytlewski, Ralf (eds). 1993. Political Culture in Germany. St. Martin's Press.

7. Brecht, Arnold. 1944. Prelude to Silence: The End of the German Republic. Oxford University Press, New York.

8. Bullock, Alan. 1962. Hitler: A Study in Tyranny. Harper & Row.

9. Carsten, Francis L. 1965. Reichswehr und Politik 1918-1933. Kiepenheuer & Witsch. Reissued in English in 1966 by Oxford at the Clarendon Press.

10. Cecil, Robert. 197. The Myth of the Master Race: Alfred Rosenberg and Nazi Ideology. Dodd Mead & Company.

11. Childs, David. 1991. Germany In the Twentieth Century. HarperCollins Publishers.

12. Compton, James V. 1967. The Swastika and the Eagle: Hitler, the United States, and the Origins of World War II. Houghton Mifflin Company.

13. Goldensohn, Leon. 2004. Nuremburg Interviews: An American Psychiatrist's Conversations with Defendants and Witnesses, Knopf.

14. Davidson, Eugene. 1996. The Unmaking of Adolf Hitler. University of Missouri Press.

15. Diehl, James M. 1977. Paramilitary Politics in Weimar Germany. Indiana University Press.

16. Dobkowski, Michael N.; Wallimann, Isidor. 1989. Radical Perspectives on the Rise of Fascism in Germany 1919-1945. Monthly Review Press.

17. Eksteins, Modris. 1975. The Limits of Reason: The German Democratic Press and the Collapse of Weimar Democracy. Oxford University Press.

18. Eschenburg, Theodor; Fraenkel, Ernst; Sontheimer, Kurt; Matthis, Erich; Morsey, Rudolph; Flechtheim, Ossip K.; Bracher, Karl Dietrich;

Krausnick, Helmut; Rothfels, Hans; Kogon, Eugen. 1966. The Path to Dictatorship 1918-1933: Ten Essays. Frederick A. Praeger.

19. Eyck, Erich. 196. A History of the Weimar Republic. Harvard.

20. Farago, Ladislas. 1974. Aftermath: Martin Bormann and the Fourth Reich. Simon Schuster.

21. Feuchtwanger, E. J. 1995. From Weimar to Hitler: Germany 1918-1933. St. Martin's Press.

22. Fraser, Lindley. 1945. Germany Between Two Wars: A Studyof Propaganda and War-Guilt.Oxford University Press.

23. Frazer, David. 1993. Knight's Cross: A Life of Field Marshal Erwin Rommel. Harper Collins.

24. Fried, Hans Ernest. 1943. The Guilt of the German Army. The Macmillan Company.

25. Fritsche, Peter. 1998. Germans Into Nazis. Harvard University Press.

26. Fritzsche, Peter. 1990. Rehearsals for Fascism: Populism and Political Mobilization in Weimar Germany. Oxford University Press.

27. Fulbrook, Mary. 1992. The Divided Nation: a History of Germany 1918-1990. Oxford University Press.

28. Guérin, Daniel. 1994. The Brown Plague: Travels in lateWeimar & Early Nazi Germany. Duke University Press.

29. Halperin, S. William. 1965. Germany Tried Democracy: A Political History of the Reich from 1918 to 1933. Norton.

30. Hamann, Brigitte. 1999. Hitler's Vienna: A Dictator's Apprenticeship. Oxford University Press.

31. Hanser, Richard. 1970. Putsch! How Hitler Made Revolution. Peter H. Wyden, Inc.

32. Heiber, Helmut. 1972. Goebbels. Hawthorn Books.

33. Heiber, Helmut. 1974. Die Republik von WeiMarch Deutscher Taschenbuch Verlag. Reissued in English in 1993 by Blackwell.

34. Heiden, Konrad. 1944. The Führer. Carroll & Graf Publishers.

35. Herzstein, Robert Edwin. 1974. Adolf Hitler and the German Trauma 1913-1945. Capricorn Books.

36. Heydecker, Joe J.; Leeb, Johannes. 1962. The Nuremberg Trial: A History of Nazi Germany As Revealed Through the Testimony at Nuremberg. Greenwood Press.

37. Hiden, J. W. 1974. The Weimar Republic. Longman.

38. Hilger, Gustav; Meyer, Alfred G. Meyer. 1953. The Incompatible Allies: A Memoir-History of German-Soviet Relations 1918-1941. Macmillan.

39. Hitler, Adolf. 1942. The Speeches of Adolf Hitler April 1922 – August 1939. Oxford University Press.

40. Hitler, Adolf. 1971. 112 Future Human Evolution Mein Kampf, Houghton Mifflin Company.

41. Homer, F. X. J.; Wilcox, Larry, D. 1986. Germany and Europe in the Era of the Two Word Wars, University Press of Virginia.

42. Housden, Martyn. 2000. Hitler: Study of a Revolutionary? Routledge.

43. de Hoyos, Ladislas. 1985. Klaus Barbie. W. H. Allen.

44. Hughes, John Graven. 1987. Getting Hitler into Heaven. Corgi Books.

45. Jablonsky, David. 1989. The Nazi Party in Dissolution: Hitler and the Verbotzeit 1923-1925. Frank Cass.

46. Shirer, William L. 1990. The Rise and Fall of the Third Reich: A History of Nazi Germany, Touchstone Books.

47. Jasper, Gotthard. 1968. Von Weimar zu Hitler 1930-1933. Kiepenheuer & Witsch. Jetzinger, Franz. 1958, 1976. Hitler's Youth. Greenwood Press.

48. Jones, J. Sydney. 1983. Hitler in Vienna 1907-1913. Stein and Day Publishers.

49. Jones, Nigel H. 1987. Hitler's Heralds: The Study of the Freikorps 1918-1923, John Murray.

50. Kastning, Alfred. 1970. Die deutsche Sozialdemokratie zwischen Koalition und Opposition. Ferdinand Schöningh.

51. Kersten, Felis (ed.: Herma Briffault). 1947. The Memoirs of Doctor Felix Kersten. Doubleday & Co.

52. Kilzer, Louis. 2000. Hitler's Traitor: Martin Bormann and the Defeat of the Reich. Presidio.

53. Klemperer (von), Klemens. 1957, 1968. Germany's New Conservatism: Its History and Dilemma in the Twentieth Century, Princeton University Press.

54. Kochan, Lionel. 1963. The Struggle for Germany 1914-1945. Edinburgh at the University Press. 55. Koch-Weser, Erich. 1930.

Germany in the Post-War World. Dorrance & Co.

56. Koenisberg, Richard A. 1975. Hitler's Ideology: A Study in Psychoanalytic Sociology. The Library of Social Science.

57. Könneman, Erwin; Krusch, Hans-Joachim. 1972. Aktionseinheit contra Kapp-Putsch. Dietz Verlag.

58. Kosok, Paul. 1933. Modern Germany: A Study of Conflicting Loyalties. University of Chicago Press.

59. Langer, Walter C. The Mind of Adolf Hitler: The Secret Wartime Report. Basic Books.

60. Lee, Marshall M.; Michalka, Wolfgang. 1987. German Foreign Policy 1917-1933. Berg.

61. Linklater, Magnus; Hilton, Isabel; Ascherson, Neal. 1985. The Nazi Legacy: Klaus Barbie and the International Fascist Connection. Holt, Rinehart and Winston.

62. Ludecke, Kurt G. W. 1937. I Knew Hitler. Charles Scribners.

63. Manvell, Roger; Fraenkl, Heinrich. 1969. Appendix 2 113

The Canaris Conspiracy: The Secret Resistance to Hitler in the German Army. David McKay Company.

64. McKenzie, John R. P. 1971. Weimar Germany 1918-1933. Rowman and Littlefield.

65. Merker, Paul. Vol. 1, 1944, Vol. 2, 1945. Deutschland: Sein oder nicht sein? El Libro Libre, Mexico City.

66. Messenger, Charles. 1991. The Last Prussian: A Biography of Field Marshal Gerd von Rundstedt 1875-1953. Brassey's.

67. Mitcham, Samuel W. 1996. Why Hitler? The Genesis of the Nazi Reich, Praeger.

68. Mommsen, Hans. 1991. From Weimar to Auschwitz. Princeton University Press.

69. Morgan, J. H. 1945. Assize of Arms: Being the Story of the Disarmament of Germany and Her Rearmament 1919-1939. Methuen & Company.

70. Murphy, David Thomas. 1997. The Heroic Earth: Geopolotical Thought in Weimar Germany 1918-1933. Kent State University Press.

71. Nicholls, A. J. 1991. Weimar and the Rise of Hitler. St. Martin's Press.

72. Nicholls, Anthony; Matthias, Erich (eds.). 1971. German Democracy and the Triumph of Hitler. George Allen and Unwin.

73. Pachter, Henry. 1982. Weimar Studies. Columbia University Press.

74. Paris, Erna. 1986. Unhealed Wounds: France and the Klaus Barbie Affair. Grove Press.

75. Patch, William L. 1998. Heinrich Brüning and the Dissolution of the Weimar Republic. Cambridge University Press.

76. Payne, Robert. 1973. The Life and Death of Adolf Hitler. Praeger.

77. Peterson, Edward N. 1969. The Limits of Hitler's Power. Princeton University Press.

78. Pool, James. 1997. Hitler and His Secret Partners: Contributions, Loot and Rewards 1933-1945. Pocket Books.

79. Price, G. Ward. 1938. I Know These Dictators. Henry Holt and

Company.

80. Price, Morgan Philips. 1999. Dispatches from the Weimar Republic: Versailles and German Fascism. Pluto Press.

81. Robinson, Jacob. 1965. And the Crooked Shall Be Made Straight: The Eichmann Trial, the Jewish Catastrophe, and Hannah Arendt’s Narrative. Macmillan.

82. Roll, Erich. 1933. Spotlight on Germany: A Survey of Her Economic and Political Problems. Faber & Faber Limited.

83. Russell (Lord) of Liverpool. 1963. The Record: The Trial of Adolf Eichmann for His Crimes Against the Jewish People and Against Humanity. Alfred A. Knopf.

84. Schacht, Hjalmar Horace Greeley. 1974. Confessions of “The Old Wizard”: Autobiography. Greenwood Press.

85. Scheele, Godfrey. 114 Future Human Evolution 1946. The Weimar Republic: Overture to the Third Reich. Faber and Faber Limited.

86. Schellenberg, Walter. 1956. The Labyrinth: Memoirs. Harper and Brothers Publishers.

87. Schultz, Sigrid. 1944. Germany Will Try It Again. Reynal & Hitchcock.

88. Stachura, Peter D. 1983. The Nazi Machtergreifung. George Allen & Unwin.

89. Stachura, Peter D. 1993. Political Leaders in Weimar Germany: A Biographical Study. Simon & Schuster.

90. Taylor, Simon. 1983. The Rise of Hitler: Revolution and Counter-

Revolution in Germany 1918-1933. Universe Books.

91. Dederke, Karlheinz. 1984. Reich und Republik Deutschland 1917-1933. Klett-Cotta.

92. Villard, Oswald Garrison. 1933. The German Phoenix: The Story of the Republic. Harrison Asmith & Robert Haas.

93. Waite, Robert G. L. 1952. Vanguard of Nazism: The Free Corps Movement in Post-War Germany. Harvard.

94. Watkins, Frederick Mundell. 1939. The Failure of constitutional emergency Powers under the German Republic. Harvard University Press.

95. Welch, David. 1983. Nazi Propaganda: The Power and The Limitations. Croom Helm & Barnes & Noble Books.

96. Wheeler-Bennett, John W. 1967. The Nemesis of Power: The German Army in Politics 1918-1945. Viking Press. Books with references to eugenics in index

97. Benderesky, Joseph W. 1956. A History of Nazi Germany. Burnham Inc. According to the index, eugenics is mentioned on mentioned on 10 pages, but several of these actually refer to euthanasia rather than eugenics, and the others are limited to Hitler’s belief in “Aryan” racial superiority.

98. Bramwell, Anna. 1985. Blood and Soil: Richard Walther Darré and Hitler’s “Green Party,” Kensal Press, 7 mentions.

99. Hiden, John. 1996. Republican and Fascist Germany: Themes and Variations in the History of Weimar and the Third Reich 1918-1945,

Longman, 2 mentions.

100. Peukert, Detlev J. K.1991. The Weimar Republic: The Crisis of ClassicalModernity, Hill andWang, 2 mentions.

OOO

حواشی

1. Francis Galton, “Eugenics, Its Definition, Scope, and Aims,” Sociological Papers, 1905, I, 45-50, 45; quoted in Weingart, Kroll, and Bayertz, 1988, 33.
2. Pichot, 2000, 12-13.
3. Balter, 2001.
4. Itzkoff, 2000, 265.
5. Campbell.
6. Neel, 1983.
7. Examination Alpha, Test 8, Forms 8 and 9, quoted by Paul, 1995, pg. 66, from RobertM.Yerkes, ed.Psychological Examining in the United States Army,Vol. 15 o f Memoirs ofthe National Academy of Sciences, Washington, D.C.,1921.
8. Herrnstein/Murray, 1994, 345.
9. Flynn, 1984.
10. Hernstein/Murray, 1994, 401.
11. Lerner, 1980, 121.
12. Snyderman/Rothman, 1986, 83.
13. Finkelstein, 2000, 36-37.

14. Tucker, 1994, 219; Cited by B. S. Bloom, "Testing Cognitive Ability and Achievement," Handbook of Research on Testing, ed. N.c. Gage, 1963, 384.

15. Hewlett, 2002.

16. Herrnstein/Murray, 1994, 351.

17. Henshaw/O'Reilley, 1983, 10.

18. Weyl and Possona, 1963; Weyl, 1967.

19. Glad, 1998.

20. Trafford, 2002, F8.

21. Encyclopedia Britannica, "Genetic disease, human."

22. Ridley, 2001.

23. Hersh, 1966, 568.

24. Mann, Fritz, "Eugénique et éthique commune dans la société pluraliste," Missa/Susanne, 1999, 140.

25. Lévinas, E., Totalité et infini: Essai sur l'extériorité, Coll. Biblio Essais, No. 4120, 1971, pg. 310; quoted in Missa/Susanne, 97.

26. Pembre, M., "Prenatal diagnosis and its ethical implication," A Report to the European Commission Group of Advisors on the Ethical 128 Endnotes Implication of Biotechnology, October 1994, 3-4; quoted in Missa/Susanne, 38-39.

27. Brock et al.

28. Traubmann, 2004.

29. Elliman, 2001.

30. Elliman, 2001.

31. Stone, 2000.

32."Disability Rights Advocates."

33. Smith, 2002.

34. Henderson, 1999.

35. www.bioethicsanddisability.org/eugenics.html

36. Eugenics – Euthenics – Euphenics. http://www.bioethicsanddisability.org/eugenicseuphenics.html

37. Lo Duca, 1969.

38. Bearden/Fuquay, 2000, 2.

39. Wright, 1997, 25.

40. Wright, 1997, 147-148.

41. Borkenau et al, 2001.

42. Wright, 1997, 61.

43. Wright, 1997, 61.

44. Wright, 1997, 63.

45. Bearden/Fuquay, 2000, 151.

46. Laris, 2002.

47. Weiss, Rick, 2002, A10.

48. Mooney, 2001.

49. Kristol, 2002.

50. Stolberg.

51. Bravin/Regalado.

52. Wade, 2004.

53. Paul, 1998, 12-13.

54. Population Reference Bureau, 2003 World Population Data Sheet.

55. Hardin, 1977.

80. Wright, 1997, 123.

81. Lunden, 1964, 86.

82. Hirschi/Hindelang, 1977, 573-574.

83. Hirschi/Hindelang, 1977, 573-574.

84. Hirschi/Hindelang, 1977, 581.

85. Herrnstein/Murray, 1994, 235, 242, 735.

86. See: McNeill, 1984, for a discussion.

87. Herrnstein/Murray, 1994, 359.

88. “Speaking in Fewer Tongues.”

89. Haller, 1963, 4.

90. Haller, 1963, 19.

91. Haller, 1963, 129.

92. Haller, 1963, 132.

93. Haller, 1963, 137, 141.

94. Ascencion Cambron, “Approche juridique de la stérilisation des handicapésmentaux en Espagne,” article inMissa/Susanne, 1999, 121.

130 Endnotes

95. Drouard, 1999, 7.

96. Alexander Tille, Das aristokratische Prinzip der Natur, 1893; quoted in Kaiser et al, 1992, 1.

97. Otto Ammon, Natürliche Auslese und Ständbildung, 1893; quoted in Kaiser et al, 1992, 2-3.

98. Leitsätze der “Deutschen Gesellschaft für Rassenhygiene,” zur Geburtenfrage angenommen in der Delegiertenversammlung zu Jena am 6. und 7. June 1914; quoted in Kaiser et al, 1992, 14-15.

56. Singer, 1999, 42.

57. Gallup Organization, February 14, 2001.

58. Fletcher, 1983, 519.

59. McConaughy, 1933, 1, 7. Endnotes 129

60. Timberg, 2003.

61. Traub, 2002.

62. Gallup, March 22, 2000.

63. National Assessment of Education Progress.

64. Gallup, July 6, 1999.

65. Rajeswary, 1985.

66. Harper, 2004.

67. Vedantam, 2004.

68. See: Pomerantz, 1973, for a sensitive discussion.

69. Bajema, 1976, 257.

70. Herrnstein/Murray, 1994, 197.

71. David Lykken, quoted in Wright, 1997, 131. See also Herrnstein/ Murray, 1994, 191-201.

72. Guttmacher, 1964.

73. Vining, 1983.

74. Yax, 2000.

75. Price, 2001.

76. Wright, 1997, 64.

77. Wright, 1997, 60.

78. Holden, 2001.

79. Haller, 1963, 17.

99. Leitsätze der “Deutschen Gesellschaft für Rassenhygiene (Eugenik),” 1931/32; quoted in Kaiser et al, 1992, 62-64.

100. Statististisches Bundesamt Wiesbaden, Bevölkerung und Wirtschaft 1872-1972, Stuttgart/Mainz, 1972, 102: quoted in: Weingart/Kroll/Bayertz, 1988, 130-131.

101. Weingart/Kroll/Bayertz, 1988, 141-142, 382, 536-537, 539, 542, 597-601.

102. Missa/Susanne, 19.

103. Adolf Hitler, Völkisches Menschenrecht und sogenannte humane Gründe (1925/27), Munich, 1932, 444r, 444, Mein Kampf; quoted in Kaiser et al, 1992, 119-120.

104. Verschuer, 1943, 1.

105. Verschuer, 1943, 3.

106. Weingart/Kroll/Bayertz, 1988, 1998, 298.

107. Das “Gesetz zur Verhütung erbkranken Nachwuchses” vom 14. Juli 1933; quoted in Kaiser et al, 1992, 126.

108. Missa/Susanne, 1999, 18-19 ;Weingart/Kroll/Bayertz, 1988, 470.

109. Weingart/Kroll/Bayertz, 1988, 469.

110. Weingart/Kroll/Bayertz, 1988, 22, 174, 263-265, 283, 294.

111. Weingart/Kroll/Bayertz, 1988, 300.

112. Karl H. Bauer, Rassenhygiene: Ihre biologischen Grundlagen, Leipzig, 1926, 207; Hans Luxenburger, „Möglichkeiten und Notwendigkeiten für die psychiatrischeugenische Praxis,” Münchener Medizinische Wochenschrift, 1931, 78: 753-758, 753; Lothar Loeffler, “Ist die gesetzliche Freigabe der eugenischen Indikation

zur Schwangerschaftsunterbrechung rassenhygienisch notwendig?” Deutsches Ärzteblatt, 1933, 63: 368-369, 369. All quoted in Weingart/Kroll/Bayertz, 1988, 524, 526.

113. Aktion “T4” / “Wilde Euthanasie” (1939-1945); Aussage des “T4”-Leiters Viktor Brack: “Nutzlose Esser” 1946); Aus: DOC Endnotes 131 NO426, in GSTA, Rep. 335, Fall 1, Nr. 202, Bl. 11; quoted in Kaiser et al, 1992, 250.

114. David Irving, Hitler’s War, Viking Press, 1977; quoted in Saetz, 1985.

115. English Translation: “Human Heredity, NY, 1931.

116. Lenin, 1914.

117. Schwartz, 1995.

118. Max Levien, “Stimmen aus dem teutschen Urwalde,” Under dem Banner des Marxismus, 1928, 4:150-195, 162; quoted in Weingart/Kroll/Bayertz, 1988, 112.

119. Paul, 1994, 20; quoting H.J. Muller’s “Out of the Night,” 114-115.

120. J. B. S., Haldane, Daily Worker, November 14, 1949; quoted in Paul, 1998, 13.

121. Quoted in Paul, 1998, 13.

122. Singer, 1999, 9, 23. Income figures from Barnet, R. J. & Cavanagh. J. Global Dreams: Imperial Corporations and the New World Order, 1994; World Bank Development Indicators,1997.

123. Paul, 1998, 29.

124. Wright, 1997, 10.

125. M.-T. Nisot’s 1927-29 La Question eugénique dans les divers

144. Grobstein/Flower, 1984, 13.

145. Pearson, 1997, 38; quoting Philippe Rushton: 52, “Science and Racism,” 52.

146. Finkelstein, 2000, 11.

147. Cooperman, 2002.

148. Zoll, 2002.

149. Tucker, 1994, 279-295.

150. Glad, 2001.

151. Gershon, Elliot S. 1983, 3.

152. Wade, 2002.

153. Lynn, 1996, 35; quoting Coleman & Salt, 1992.

154. “Gun Deaths…” 2001.

155. Fletcher, 1974.

156. Brock, et al, 2000.

157. Campbell, John, 1995.

158. Campbell, John, 1995.

159. Pearson, 2000.

OOO

pays, two volumes, Brussels; quoted in Drouard, 1999, 19.

126. Huntington, 31.

127. Schwartz, 1995, 16, 33.

128. Information provided by Benoit Massin to Peter Weingart; quoted in Weingart, 2000, 208-209. Also from WWW site of Kröner/Toellner/Weisemann, 1990.

129. Weingart/Kroll/Bayertz, 1988, 251.

130. Holmes, 1933, 122-123.

131. Y. Meir and A. Rivkai, The Mother and the Child, 1934, Tel Aviv: Kupat Holim, 63-64, quoted in Stohler-Lis, 2003, 110.

132. Traubmann, 2004.

133. Traubmann, 2004.

134. Weiss, Meira, 2002, 2.

135. Weiss, Meira, 2002, 32.

136. Kahn, 197.

137. Kahn, 140.

132 Endnotes

138. Kahn, 74.

139. Kahn, 106.

140. Revel, 2003.

141. Zohar, 1998, 584-585.

142. Graham, 1977.

143. Pearson, 1997, 10-11; quoting presidential address of Sandra Scarr at the annual meeting of the Behavior Genetics Association, Behavior Genetics, 12;3, 1987.